

# معاهده ہند و برطانیہ

188406

سر سید سلطان احمد

۹۵۲۶۰۳۵۷

۳-۵

ہندوستانی پبلسشرز دی



**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No. (م - ۷) ۹۵۵۱۵۰ Accession No. ۱۴۴۳۵

Author لطفان احمد سید

Title ۱۹۲۵  
تعارف پروفیسر لطفان احمد

This book should be returned on or before the date last marked below.

---



معاهدہ ہند

و

برطانیہ

ہندستان کے مستقبل پر ایک نظر

سر سید سلطان احمد

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نگارستان کینی اردو بازار دہلی

ادارہ ہندوستانی پبلشرز دہلی نے جمید برقی پریس آئی سی مچھواک شائع کیا

## دیباچہ

ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات کو آئینہ زمانے میں ایک عہد نامہ کے تحت لانے کی تجویز سب سے پہلے سرکاری طور پر اس دستاویز میں کی گئی تھی جسے "کرپس کی تجویز" کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ انگریزی سرکار اور اس دستور بنانے والی جماعت کے درمیان جو ہندوستان میں قائم کی جائے گی ایک عہد نامہ ہوگا جس میں "ان تمام سوالوں کی چھان بین کی جائے گی جو انگریزوں کے ہاتھوں سے نکال کر پوری پوری ذمہ داری ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں دینے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔"

ہندوستان کی دستوری ترقی کے لئے جن قاعدوں پر سوچ بچار کیا جاتا رہا ہے۔ ان میں اس نئی تجویز نے ایک بالکل انوکھی صورت پیدا کر دی ہے۔ عام طور پر جب کبھی کسی انگریزی نوآبادی کو سیاسی ترقی دے کر سوراہی حیثیت دی جاتی ہے تو انگریزی پارلیمنٹ اس مطلب کے لئے مختلف وقتوں میں دستوری اصلاحوں کے قانون بناتی ہے۔ مثلاً اگر ہندوستان کو ڈومینین کا درجہ دینا ہو تو دستوری حیثیت سے جو کچھ ضروری ہوگا وہ صرف یہ کہ انگریزی پارلیمنٹ یہ قانون بنا دے گی کہ ہندوستان کے بارے میں آئینہ بادشاہ سلامت کو مشورہ دینے والے ہندوستانی وزیر ہونگے۔ جو ایک ہندوستانی پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اس تبدیلی کے لئے کسی عہد نامے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بارے میں جو نیا قاعدہ تجویز کیا گیا ہے۔ اس کی

وجہیں یہ ہیں:-

الف) اعلان کا جو مسودہ سر اسٹے فورڈ کرپس لائے تھے۔ اس میں یوپی ریاستوں کا

بھی ذکر تھا۔ اور یہ لکھا تھا کہ انھیں بھی دستور بنانے والی جماعت میں اپنے "نمائندے مقرر کر لے"۔  
 کی دعوت دی جائے گی، اور برطانوی ہندوستان کے صوبوں کی طرح انہیں بھی اس کا  
 اختیار ہوگا کہ وہ چاہے نئے دستور پر قائم رہیں یا ان میں سے ہر ایک اپنی الگ الگ  
 حیثیت قائم رکھے۔ ان میں سے ہر صورت میں ان کے عہد نامے میں پارٹیوں —  
 انگریزی سرکار۔ برطانوی ہندوستان اور خود ویسی ریاستوں — کی آپس کی بات  
 چیت سے طے ہونا تھے ۛ

(ب) اب تک صرف انگریزی سلطنت کے اٹھنی ملکوں کو ڈومنی میں کا درجہ حاصل تھا  
 جن کی آبادی زیادہ تر یورپی نسل کی ہے۔ ہندوستان، اگر وہ برطانوی کامن ویلتھ دولت  
 مشترکہ کے اندر رہے، تو پہلی بڑی ایشیائی ریاست ہوگا جو اپنی مرضی سے ان آزاد قوموں  
 کے گھرمٹ میں شامل ہو جائے گا جنہیں برطانوی کامن ویلتھ کہتے ہیں۔ ایسی صورت  
 میں اس کے خاص حالات کو دیکھتے ہوئے خاص قاعدے قانون کی ضرورت ہوگی ۛ  
 (ج) اعلان کے مسودے میں اس صورت کا بھی خیال رکھا گیا تھا کہ شاید ہندوستان  
 یونانی ڈڈکنگ ڈم کے ساتھ عہد نامے کی رو سے گہرے تعلقات رکھتے ہوئے بھی برطانوی  
 کامن ویلتھ سے علیحدہ ہو جائے ۛ

(د) چونکہ عہد نامے کی تجویز برطانوی سرکار اور ہندوستان کی دستور بنانے والی جماعت  
 کے درمیان کی گئی تھی، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ شاید بعض اہم باتیں اس عہد نامے کے  
 اندر نہ آئیں۔ مثلاً ہندوستان اور یونانی ڈڈکنگ ڈم کے آئندہ کے تعلقات نظر ہے  
 کہ ایسی اہم باتوں کے متعلق فیصلے کرنے کا حق دستور بنانے والی جماعت کو نہیں بلکہ اس نئی  
 ہندوستانی حکومت کو پہنچا جائیے۔ جو دستور بنانے والوں کی محنت اور چھان بین کے بعد  
 پیدا ہوتی۔ کچھ لوگ کبھی کبھی یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید ان واقعات سے جو ستمبر ۱۹۲۲ء کے  
 آئر لینڈ کے عہد نامے کے "سلسلے میں" پیش آئے تھے ہندوستان کے مسئلہ پر بھی

روشنی پڑتی ہے۔ اہل میں ایسا نہیں ہے۔ آئرش فری اسٹیٹ کا قائم کرنا ایک نئے مہذب فی دستور بنانے کے پانسنگ بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کی پوری آبادی شہر کلکتہ کی آبادی سے بھی کم ہے۔ اس کے علاوہ آئرلینڈ میں انگریزی سرکار کا معاملہ جن آدمیوں سے تھا۔ ان میں آپس میں اتنا ایسا تھا کہ وہ کامیابی کے ساتھ ایک وقتی حکومت بنا سکتے اور چلا سکتے تھے۔ آئرلینڈ اور ہندوستان کے حالات میں یہ فرق بھی تھا کہ وہاں جو جھگڑا تھا وہ یونانی ٹیڈکنگ ڈوم کے دو حصوں کے درمیان تھا۔ دونوں ایک ہی دستور کے ماتحت تھے۔ اور ان کی علیحدگی میں قانونی پہلو صرف اتنا تھا کہ آئرش فری اسٹیٹ کو اس سیاسی سمبندھ سے جس کا وہ پہلے حصہ تھی کاٹ کر الگ کر دیا جائے ۛ

یہ سوال کہ عہد نامے کا طریقہ مناسب ہے یا نہیں — اب قریب قریب ختم سمجھا جا بیٹے۔ انگریزی سرکار مان چکی ہے کہ آگے چل کر ہندوستان کا مسئلہ اسی طریقہ سے طے ہوگا۔ اور ہندوستان اور انگلستان دونوں جگہ پبلک کی رائے بھی اب یہی ہے کہ آئندہ ایک عہد نامہ ہونا ہی پڑے گا ۛ

کرپس کے اعلان پر ہندوستان میں بہت زیادہ اعتراض ہو چکے ہیں اور اس مضمون میں ہم اس کی عام بھلائی برائی کی بحث چھیڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس سوال پر کہ کرپس کی تجویز ہندوستان کو سوراخ کی طرف ایک قدم آگے بڑھانے کے لئے کافی ہے یا نہیں بہت زیادہ، بلکہ اکتا دینے والی حد تک بحث مباحثہ ہو چکا ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ کرپس کی تجویزوں کے کچھ پہلوؤں کی تو بہت زیادہ چھان بین ہوتی ہے۔ اور کچھ کی اتنی ہی کم۔ آنے والے زمانے میں ہندوستان کے بین الاقوامی تعلقات۔ اور اس کے بچاؤ کا سوال — یہ دونوں چیزیں ہندوستان کے لئے حد درجہ اہم ہیں۔ لیکن کرپس کے نقشہ سے یہ بالکل نہیں معلوم ہوتا کہ آئندہ ان کی صورت کیا ہوگی۔ ہندوستان اور یونانی ٹیڈکنگ ڈوم دونوں جگہ جو پبلک بخشیں ہوئیں ان میں

بھی ان سوالوں پر کافی توجہ نہیں کی گئی اور نہ یہ غور کیا گیا کہ دونوں ملکوں کے تفصیلی سمجھوتے میں ان باتوں کی اہمیت کیا ہوگی ؟

ان باتوں کی دو ایک مثالیں یہاں دی جاتی ہیں۔ جن کے بارے میں کرپس کی تجاویز بالکل خاموش ہیں۔ مثلاً ان تجاویز میں یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ جو دیسی ریاستیں یونین سے باہر رہنا چاہیں گی۔ ان کے حق کی حفاظت کیسے ہوگی اور ان کے سچاؤ کی ذمہ داری انگریزی سپاہ پر ہوگی یا یونین کی فوجوں پر۔ اسی طرح سے کرپس کے اعلان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ہندوستان اور اس کی ترکیبی ریاستوں کی حیثیت ان ملکوں کے مقابلہ میں کیا ہوگی جو اس کی خشکی کی سرحدوں سے علی ہونے واقع ہیں۔ نہ اس کا کوئی ذکر کیا گیا کہ ان ملکوں کے ساتھ ہندوستان کے آج کل کے تعلقات جو برطانوی سرکار کے واسطے قائم ہیں آگے چل کر کس طرح براہ راست بنائے جائیں گے۔ اعلان میں یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ آئندہ دست درازی کی صورت میں ہندوستان اپنے آپ کو کیونکر سچائے گا۔ اور اس علاقے میں بین الاقوامی امن و امان قائم رکھنے میں اس کا حصہ کیا ہوگا ؟

ایک عہد نامے میں ہندوستان کی ان تمام ضرورتوں کا انتظام ضرور ہونا چاہئے جو قوموں کے خاندان کے ایک ممبر ہونے کی حیثیت سے اسے پیش آئیں گی ہندوستان کے گھر کے جھگڑوں نے اس انتظام میں الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ اس ملک کے سامنے سب سے بڑا سوال ہندو مسلم مسئلہ ہے۔ خواہ ایک ملک کی حیثیت سے ہو یا دو الگ الگ ریاستوں کی حیثیت سے ہندوستانی یونانی ٹیڈکنگ ڈوم کے ساتھ اسی صورت میں عہد نامہ کر سکتا ہے جب یہ اندرونی جھگڑا ختم ہو جائے مگر یہ سوال ہندوستان کے لیڈروں کے حل کرنے کا ہے لیکن برطانیہ کو بھی چاہئے کہ صرف دور سے کھڑے کھڑے تماشہ نہ دیکھے بلکہ اسے سلجھانے میں خود بھی حصہ لے

چاہے ہندوستانیوں کو اسے ماننے میں تامل اور رنج ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ پہل برطانیہ کی طرف سے ہونا ضروری ہے۔ اس پہل کے بغیر ہندوستانی مسئلہ سلجھ ہی نہیں سکتا اور جب تک یہ مسئلہ سلجھے ہندوستان اور برطانیہ بین الاقوامی حیثیت سے ایک دوسرے کا ہاتھ نہیں بٹا سکتے۔ اور جب تک یہ نہ ہو بین الاقوامی سلامتی ہمیشہ خطرے میں رہے گی۔

آج ہندوستان کے لئے سب سے بڑی ضرورت اس کی ہے کہ یہاں ایک سچی دیش بھگتی، سچا حب وطن جنم لے۔ سو ویٹ روس کے بعد ہندوستان ہی ایشیا کی سب سے بڑی آئندہ طاقت ہے۔ اس کا انتظام پائیدار اور اس کا عدالتی نظام مضبوط ہے۔ اس کی فوجی روایتیں شاندار ہیں۔ اس لڑائی کے بعد ہندوستانی فوج اتنی مضبوط ہوگی جتنی وہ شاید کبھی پہلے نہ ہوئی ہوگی۔ شہرہ آفاق آزادی کے خیالات اب ہمارے قومی تانے بانے میں اچھی طرح رچ چک گئے ہیں۔ ہندوستان کو زبردست معاشی اور صنعتی موقعے حاصل ہیں لیکن یہ موقعے اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جب پہلے وہ مذہبی جھگڑا جس نے ہماری سیاسیات میں بس بھر دیا ہے ختم ہو جائے۔ ابھی تک یہ آس باقی ہے کہ شاید اب بھی جڑوٹا کو قومی ذمہ داریوں کا خیال پیدا ہو جائے۔ باہر کی طوفانی دنیا کے ساتھ نباہ کرنے میں جو خطرے ہیں انہیں سمجھ لیا جائے اور اس طرح قومی ایکٹ پیدا ہو جائے۔ اور اس ملک کے لوگ آپس میں مل کر ان جھگڑوں کو بٹھا سکیں جن میں آج انہوں نے اپنا سامان من پھنسا رکھا ہے۔ لیکن جو سناری سوچہ بوجھ رکھنے والوں کی نظر میں گھریلو جھگڑوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے :

ہندوستان کا نیا دستور بنانے وقت اگر یہ فرض کر لیا گیا کہ یہاں کے گھریلو اور بدسی مسئلے ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ اور گھریلو واقعات کا

کوئی اثر ہندوستان کی زمینی اور سمندری سرحدوں کی سلامتی پر نہیں پڑے گا تو یاد رکھئے کہ ہندوستان کے لئے بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اور اس کے سولاج کی کامیابی کی امید بہت کم رہ جائے گی۔ مسلم ہندوستان کچھم کے مسلم ملکوں کے ساتھ تصوری ہمدردی رکھتا ہے۔ اور آثار تبار ہے میں کہ ہندو ہندوستان کو بھی شاید چین اور ہندوستان کی اتری پور بی سرحد کے ملکوں کے ساتھ ایسی ہی ہمدردی پیدا ہو جائے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں ایسے لوگ بھی بڑی گنتی میں موجود ہیں۔ اور ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ جو سوویت روس کے تصوروں کے ساتھ گہری دل چسپی رکھتے ہیں۔ اس جھے کی وجہ سے ہندوستانی سماج میں جو ڈھانڈا پڑ گئی ہے وہ فرقہ واری تقسیم کو کاٹتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اگر کسی اور وجہ سے نہ بھی ہو تو بھی اس ایک بات کو ہندوستانی سیاسیات کے طالب علم کو سوچنا سمجھنا چاہئے کہ بین الاقوامی بچاؤ اور گھریلو مسئلوں میں کتنا گہرا تعلق ہے ۛ

ان مسئلوں کو طے کرنا، اور کرپس کی تجویزوں میں جو جگہ جھوٹ گنتی ہے اسے بھرنے کوئی آسان بات نہیں ہے۔ خاص کر اس وجہ سے کہ بڑی بڑی طاقتوں نے اب تک آپس میں یہ طے نہیں کیا ہے کہ ایشیا کی سلامتی کے لئے آگے چل کر کس قسم کا بین الاقوامی انتظام کیا جائے گا۔ اس وجہ سے ہندوستان کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آگے چل کر کسے اپنے بچاؤ کے لئے کتنی فوجوں اور کتنے سامان کی ضرورت پڑے گی۔ پچھلے تین برس میں ہندوستان پر سمندر اور خشکی دونوں طرف سے حملہ ہو چکا ہے اور اس کے کچھ شہروں پر ہوائی بم باری بھی ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان کے بچاؤ کی ہر تجویز میں ان تینوں قسم کے حملوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ یعنی ہندوستان کے پاس اس کا اپنا اچھے قسم کا بیڑہ، فوج، اور ہوائی طاقت ہونی چاہئے

بدقسمتی سے ہندوستان اپنے ڈومی نین درجہ کی شروع کی منزلوں میں یہ سب ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے تیار رہ ہو سکے گا۔ اسے اپنے بچاؤ کے ایسے انتظام میں جس میں اسے باہر سے مدد لینے کی ضرورت نہ پڑے کچھ دیر لگے گی۔ اب تک ہندوستان یونانی ٹڈکنگ ڈم کامن ویلتھ اور خود اپنے طے جُملے دیسیوں پر بھروسہ کرتا رہا ہے۔

غرض کہ درمیانی زمانہ میں ہندوستان کو اپنے سول (شہری) اور فوجی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے باہر سے مدد لینے کی ضرورت ہوگی۔ اسے ایک بڑے تجارتی بیڑے اور سول ہوا بازی کے پورے پورے انتظام کی ضرورت ہوگی ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان جو عہد نامہ بھی ہو اس میں ان سب باتوں کے لئے حل مل کر کام کرنے کا طریقہ ڈھونڈنا لگانا بہت اہم ہوگا۔

آئیو اے ابواب میں اس کی کوشش کی گئی ہے کہ آگے چل کر جو مسئلے حل کرنا ہیں۔ ان میں سے کچھ کی چھان بین کی جائے۔ امید کی جاتی ہے کہ ان مسئلوں پر غور کرنے سے پڑھنے والوں کے دلوں میں یہ بات صاف ہو جائے گی کہ ہندوستان اور برطانیہ کے آئیو اے تعلقات کس قسم اور کس حیثیت کے ہوں گے۔ اس مضمون کے آخر میں ہم نے یہ تجویز کی ہے کہ بادشاہ سلامت کی حکومت کو کچھ اعلان فوراً کر دینے چاہئیں۔ اور ہندوستان کا نیا دستور بنانے کے لئے جس انتظام کی ضرورت ہوگی اس کے بارے میں بھی کچھ تجویزیں بتائی گئی ہیں۔

جو حل بتائے گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کی بنیاد پر بات چیت کی جا سکے اور ہمیں کہیں ان کی عبارت ایسی رکھی گئی ہے کہ اس سے بحث مباحثہ کو شہ طے کوئی شک نہیں کہ ہماری چھان بین میں کچھ ایسے کھانچے رہ گئے ہیں جنہیں بھرنے کی ضرورت ہوگی۔ اگر اس مضمون سے غور و فکر، سوچ بچار کارا راستہ کھل جائے تو گویا اس کا مطلب پورا ہو گیا۔

اس مضمون میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے وہ لکھنے والے کی اپنی ذاتی رائے ہے۔ سرکاری اور خاص کر سرکار ہند کی رائے سے اسے کوئی تگناؤ نہیں ہے۔



آفریدی سرسیدی سلطان احمدی  
کے 'سی' ایس 'آئی' - قی . ایل - ہارایت لا  
ممبر انڈیا مہشن ایلڈ ہرآڈ کاسٹنگ



# پہلا باب

## بچاؤ کے مسئلے

### پچھلا زمانہ اور آج کل

دوسری سنساری لڑائی سے پہلے ہندوستان کے پاس ایک چھوٹی سی مستقل فوج اور لام بندی کی صورت میں مجرد میں اور مقبولین کی جگہ بھرنے کے لئے ایک چھوٹا سا ریزرو (محمولہ حصہ) تھا۔ اس کی ہوائی طاقت کسی گنتی میں نہ تھی۔ اور شاہی ہندوستانی بیڑا نیا نیا بنا تھا۔ فوج کی تقسیم، میدانی فوج، حفاظتی فوج اور انڈین آکس پی ٹی ڈی (وی ڈی) (مہماتی) فوج میں کی گئی تھی۔ حفاظتی فوج کا کام یہ تھا کہ ہندوستان کی خشکی کی سرحدوں پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ اس وقت تک دشمن کو روکے رکھے جب تک میدان فوج مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو جائے۔ پچھلی لڑائی کے تجربے سے یہ بتا دیا تھا کہ شمال مغربی سرحد کے بچاؤ کی لائن مشرق وسطیٰ (مڈل ایسٹ) میں شروع ہوتی ہے، لیکن اس کا کسی کو سامان گمان بھی نہ تھا کہ ہندوستانی فوج کو کسی ایشیا کے کسی لڑائی کے میدان میں کسی اعلیٰ درجہ کی کلدار فوج کا سامنا بھی کرنا ہوگا۔ اس لئے فوج کو کلدار سامان سے لیس کرنے پر بہت کم توجہ دی گئی تھی۔ جب جرمنی کی دوبارہ ہتھیار بندی سے یورپ کے لئے خطرہ کا امکان پریشان کن حد تک بڑھ گیا۔ تب ہندوستان

کے فوجی حاکموں کو یہ خیال آیا کہ ہندوستان فوج کو کلدار بنانے کا پروگرام بھی شروع کرنا چاہیے۔ اپنے سمندری بچاؤ کے لئے ہندوستان بالکل امپیریل (شہنشاہی) پٹرے کا محتاج تھا۔ ہوائی مسلوں سے بچاؤ کی جو تدبیریں آج کل کی جاتی ہیں ان کا یہاں کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ ملکی امن و امان کا انتظام ہندوستان کی مختلف چھاؤنیوں میں فوج کو تقسیم کر کے کیا گیا تھا۔

جب موجودہ لڑائی کے زمانہ میں آزماش کی گھڑی آئی تو معلوم ہوا کہ بچاؤ کے یہ سارے انتظامات ناکافی ہیں۔ اتنے زمانہ تک ایسے ناکافی انتظامات کو گوارا کرنے کی وجہ کچھ تو خود برطانیہ کی امن پسندی کی پالیسی تھی۔ اور کچھ یہ کہ سرکار ہند فوجی معاملات پر بہت زیادہ روپیہ خرچ کرنے کا الزام اپنے سر لینے کو تیار نہ تھی۔ ہندوستان کی طرح خود یونانی مذہنگ ڈم (سلطنت متحدہ) میں انگریزی حکومت جبراً اور زیادتی کے اس سیلاب کے خلاف جو ۱۹۳۳ء سے آنا شروع ہو گیا تھا، احتیاطی کارروائیوں کو آخر وقت تک ٹالتی رہی اور اس بارے میں اس نے جو بے بصیرتی اور جھوٹا اطمینان دکھایا اس پر آئے والے زمانہ کے تاریخ نویس تعجب کریں گے۔ ہندوستان کے بارے میں جو دلیل پیش کی جاتی تھی، اور جس میں تھوڑا بہت وزن ضرور تھا۔ وہ یہ تھی کہ ہندوستان نے جس لے یو آئسبلی (قانون ساز مجلس) میں بچاؤ کے اخراجات کو گھٹانے کے جو ہنگامے چھائے جاتے تھے ان کی وجہ سے ہندوستان کے بچاؤ میں کوئی اضافہ تو ہوتی ممکن نہ تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سرکار اگر چاہتی تو اس ہمدردی سے ہنر بجا طور پر فائدہ اٹھا سکتی تھی جو ہندوستان کے قومی حلقوں میں اسپین اسپین اور جمنہ (ابے سی نیا) کی طرف سے پیدا ہو گئی تھی، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ جو اہلال ہنر و کلمے بندوں (فسطائیت) اور نازیست کو انسانی سلامتی اور ترقی کا دشمن بنا چکے تھے۔ اگلا دور اندیشی کی پالیسی سے کام لے کر ہندوستان

کی پبلک رائے کو تیار کیا جاتا، اور اسے سمجھا دیا جاتا کہ ہندوستان چاروں طرف کے ملکوں سے اسی صورت میں بچایا جاسکتا ہے جب وہ اخلاقی اور سامانی معیشت سے تیار ہو جائے۔ تو حکومت کو پبلک کی حمایت ضرور حاصل ہو جاتی، اور ان ہزاروں قیمتی جانوں کا نقصان نہ ہوتا جو صرف تیاری کی کمی کی وجہ سے اٹھانا پڑتا ہے۔

ادھر جاپان، جہاں پوربی ایشیا کی فتح کے منصوبے بنا رہا تھا، جس میں ہینڈلنگ بھی شامل تھا۔ روس کو جرمنی اور جاپان دونوں طرف سے اپنے بچاؤ کی تیاریوں کی فکر تھی، اور چین آپس میں ایسا کرنے اور اپنے بدیسی دشمن۔ جاپان۔ سے لڑنے میں لگا ہوا تھا۔ جرمن کارآمدے مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں فساد کے بیج بوریے تھے۔ ہٹلر اور جاپان کے ملگلی کرتا دھرتالی بھگت کر کے ایک ایسی زبردست قبضہ چال کا منصوبہ گاٹھ رہے تھے کہ ان کی فوجیں ہندوستان کو پوری طرح فوجی گھیرے میں لیتی ہوئی وسطی مشرق میں آن ملیں۔ ہندوستان کے دشمنوں کی کامیابی میں اتنی کسر رہ گئی تھی کہ اب اس پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی چال کا پٹ پڑتا کسی طرح مجھ سے کم نہ تھا۔

جن باتوں نے ہندوستان کو بچا لیا وہ یہ تھیں :-

(الف) برطانیہ کی لڑائی میں انگریزوں کی فتح

(ب) مصر کا بچاؤ اور اس لڑائی کے ایک نازک معرکے میں ایک ہندوستانی

ڈویژن نے، ایک بکھرند ڈویژن کی مدد سے حملہ کر کے مارشل گریزیائی کی کمان کے

تین لاکھ سپاہیوں کی محوری فوج کو تباہ کیا، اور

(ج) ہندوستان کی یہ قابلیت کہ ڈیموکری سے لے کر ہانگ کانگ تک

سلطنت کے بچاؤ کے مورچوں میں جہاں جہاں کھانچے پڑے اس نے ان میں سے

تقریباً ہر ایک کو بھر دیا۔

ایک ایسی حالت سے شروع کر کے کہ جب اس کے پاس تقریباً کچھ بھی نہ تھا، ہندوستان نے لڑائی کے تیسرے سال تک بیس لاکھ آدمیوں کی دالیں بٹھرائیں (رضنا کا نام) فوج بھرنی لگتی تھی اور اسے (بھاری توپوں، ٹینکوں، ٹریکٹروں، لاریوں اور ہوائی جہازوں کو چھوڑ کر) اور ہر طرح کے سامان سے لیس کر دیا بلکہ متحدہ قوموں کی فوجوں کے لئے سامان کی تیاری میں بھی خاصا حصہ لیا۔ ہندوستان کی جنگ کے زمانہ کی صنعتیں امید سے کہیں بڑھ چڑھ کر پھیل گئیں۔ اور اب تک برابر ایسی گھاگھی سے کام کر رہی ہیں جس کا کسی دوسرے زمانہ میں مشکل سے یقین آتا۔ رفتہ رفتہ ہندوستانی ایروفرس (ہوائی فوج) کو بھی نئی نئی مشینیں مل گئیں، اور ہندوستان کے محدود صنعتی وسیلوں کو دیکھتے ہوئے، شاہی ہندوستانی بیڑا بھی ایک اچھی خاصی طاقت کا مالک ہو گیا۔ ہندوستانی رجمنٹوں کے پھولوں پر بصرہ، بغداد، طہران، دمشق، بن غازی، اناملائی، تونس، اٹلی اور برما کے نام ہمیشہ روشن رہیں گے۔ جب اس لڑائی کی تاریخ لکھی جائے گی، تو ہانگ کانگ، سنگاپور، اور ملائیک کی مصیبتوں کی داستانوں کے ساتھ ساتھ، ایک دردناک لیکن روشن پہلو کے طور پر ان سو رماؤں کی کہانیاں بھی ہوں گی جنہوں نے اپنے کسی تصور یا کوتاہی کی بنا پر نہیں بلکہ انتہائی مجبوری اور مایوس کر دینے والے حالات میں بہادری کے کارنامے دکھائے، مشرق بعید میں جو شکستیں ہوئیں ان کی کسر اب ہندوستانی فوجیں اپنے ٹھوس کارناموں سے برتا اور اٹلی میں پوری کر رہی ہیں۔ خود وزیر اعظم نے جو تھی، پانچویں اور آٹھویں ہندوستانی ڈویژنوں اور برما کے مورچہ دہلی چودھویں فوج کی بڑے موٹے لفظوں میں تعریف کی ہے۔ ہندوستانی ہوائی فورس نے، باوجود اس کے کہ ایک زمانہ میں اس کے پاس امریکی اور آر۔ اے۔ ایف کے ہوا بازوں

کے مقابلہ میں گھنٹیا دم کی مشینیں تھیں۔ ہندوستان کے ساحلی بچاؤ میں اور برما میں جاپانیوں کے غلات تفریق کے قابل کام کئے ہیں۔ شاہی ہندوستان میں بیڑے نے بحیرہ عرب کے راستوں کو دشمن سے صاف رکھا ہے اور جہازی قافلوں کی حفاظت میں پوری طرح مدد دینی ہے۔ ریلوے ٹرک، وینیں اور انجن ہندوستان سے مشرق وسطیٰ کو بھیجے گئے ہیں، اور سکاٹلینڈ کے وسط تک ہندوستان پہلی مرتبہ اس قابل ہوا کہ ان جاپانی فوجوں کو جو اس کی پوربئی سرحد پر حملے کی کوشش میں تھیں بری طرح شکست دے۔

### آئینوالے زمانہ میں ہندوستان کا بچاؤ

اس لڑائی سے پہلے یہ خیال کیا جاسکتا تھا کہ شمال اور شمال مشرق کی طرف سے ہندوستان پر حملوں کو روکنے میں ہالیوڈ پہاڑ ایک زبردست دیوار کا کام دے گا۔ اسی لئے ہندوستان کو شمال مغربی سرحد اور سمندر کی طرف سے بچاؤ کی تدبیروں پر غور کیا جاتا رہا۔ پچھلے زمانہ میں ہندوستان پر جتنے حملے ہوئے وہ قریب قریب سب کے سب شمال مغرب سے ہوئے۔ یورپین حملہ آور اربعہ ہندوستان سے آئے یہی وجہ ہے کہ شمال مغربی سرحد کی حفاظت کے لئے ہندوستان کی چھوٹی سی فوج کافی سمجھی گئی، اور اپنے سمندری ساحلوں کی حفاظت کے لئے ہارالک شاہی بیڑے کو ایک معمولی سی نقد دستم دے کر گن بیٹھا رہا۔ اس کے پاس کوئی تجارتی بیڑہ نہ تھا اور وہ اپنا ذاتی بیڑہ رکھنے کے قابل ہی نہ تھا۔

آج کل کی لڑائی میں بہت سے نئے اور صاف صاف واقعات ایسے ظاہر ہوئے ہیں جنہیں ہندوستان کے آئندہ بچاؤ کے سلسلے میں نظر کے سامنے رکھنا ہوگا۔ انہیں فوجی جغرافیہ کے واقعات کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے

فوجی امکانات کے اس بیان سے ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم کو اپنے پڑوسی ملکوں کی نیت پر کوئی شبہ ہے +

الف سنگاپور کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے اب ہندوستان کے ساحلوں کو سمندری راستے سے ملے جلے ہوائی اور سمندری حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے اسی لئے اب مشرق میں ملائیا، سیام، انڈوچائنا (ہند چین)، اور برما ہندوستان کے لئے اتنے ہی اہم علاقے بن گئے ہیں۔ جیسے کہ مغرب میں ایران اور افغانستان کیمرہنہ کھاڑی میں ایک دشمن طاقت کی موجودگی ہندوستان کے لئے اتنی ہی خطرناک ہوگی جتنی کہ خلیج فارس میں۔ بنگال کے واقعات، اب ہندوستان کے لئے اتنی ہی اہمیت اور دل چسپی رکھتے ہیں جتنے کہ بصرہ کے واقعات +

(ب) ہندوستان کی آخری پوربھی سرحد اب خشکی کے راستے حملے سے

محفوظ نہیں رہی ہے +

(ج) ہمالیہ کی "پشت کوٹہ جس کے اوپر سے اب ہوائی جہازوں کے ذریعہ چین کو رسد جا رہی ہے، چین کے اڈوں سے اگر آئیوالی مضبوط ہوائی طاقت کو ہندوستانی شہروں پر بمباری سے نہیں روک سکتی +

(د) شمال مغربی سرحد کا بچاؤ اصل میں وسطی مشرق سے شروع ہوتا ہے عدن گویا ہندوستان کا جبرالٹر ہے اور خلیج فارس اور ہنز سوئز کی حفاظت سمندر کے لئے ہندوستان کی سلامتی کے لئے حد درجہ اہم ہے۔

وہ ہندوستان کی شمالی سرحدوں پر طیارہ گاہوں کے ایسے سلسلے کی وجہ سے اس ملک کے شمالی شہروں کو بمباری کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اور پنجاب پر ہوائی راستے سے حملہ آسان ہو گیا ہے۔ اگر جرمن قفقاز (کاکے کس) پار کر لینے یا روس ہار جائے تو ہندوستان کی شمالی اور شمال مغربی سرحد کا بچاؤ بڑا مشکل

کام ہو جانا +

(9) بحر ہند پر قابو رکھنا ہندوستان کی سلامتی کے لئے حد درجہ ضروری

ہے +

یہ جتنیں فوجی ضروریات اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ان کے بیان کرنے سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے، کہ ہم اپنے کسی پڑوسی ملک کی نیت ہندوستان کے بارے میں مخالفانہ سمجھتے ہیں، لیکن کسی ملک کے بچاؤ میں سیاسیات کا بھی اتنا ہی لگاؤ ہے جتنا کہ ہتھیاروں کا۔ یہ سوال کہ ملک کے بچاؤ کے لئے کتنی فوجی طاقت کی ضرورت ہوگی اس پر منحصر ہے کہ اس کے سیاسی رشتے کتنے اثر والے ہیں، اور اس کا رخ کیا ہے، اس لئے ہندوستان کے بچاؤ کی تدبیریں سوچے، اور اس ملک کے سیاسی ڈھچھر کو ان کے ساتھ ربط دیتے وقت ہمیں اپنی توجہ ہندوستان کی سرحد باری پھرنی چاہیے، اور چاہے عارضی اور قیاسی ہی کیوں نہ ہو تھوڑا بہت اندازہ لگانا چاہیے کہ آٹے والے دن اسی سال میں مختلف دوستوں میں آپس میں کون کون سے نئے مجموعے اور جوڑ توڑ بنیں گے۔ آئندہ کے امکانات کے بارے میں شاید ذیل کے اندازے کچھ زیادہ بے جا اور نامناسب نہ ہوں گے۔

(الف) اس لڑائی کے بعد روس یورپ اور ایشیا دونوں ملکوں کی سب سے بڑی فوجی طاقت ہوگا۔ جاپان کی بارے اور ایک فوجی طاقت کی حیثیت سے۔ چاہے وہ تھوڑے ہی زمانے کے لئے کیوں نہ ہو۔ جاپان کے مٹ جانے کی وجہ سے روس کی پوربی سرحدیں محفوظ ہو جائیں گی۔ دکھن سرحدوں پر روس کے پاس بحر اسود (بلک سی) سے لے کر سنگ یا سنگ تک نہایت محفوظ فوجی اور ہوائی اڈوں کا ایک سلسلہ ہوگا۔ خلیج فارس (پرسین گلف) تک روس کو پہلے ہی سے راستہ مل گیا ہے اور آئندہ بحر اسود کا راستہ بھی اس پورے طریق پر بند نہیں

کیا جائے گا۔

(دب) اسی طرح، جاپان کی شکست کی وجہ سے چین کو بھی فوجی فائدے حاصل ہوں گے۔ چین کا مستقبل اسی تک نہیں بدلتا، اور ایسے راسے کا رعبت کم ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ لڑائی کے بعد چین کی مصیبتیں ختم ہو جائیں گی، یا یہ کہ کوسن ٹانگ اور کیونسٹوں (اشتراکیوں) کے فسوس ناک جھگڑے آسانی سے بندت جائیں گے، لیکن اس میں شبہ کی بہت کم گنجائش ہے کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد چین ایک طاقتور اور بڑا ملک بن جائے گا۔ بلکہ شاید اتھری اور نساد کے دورے کامیابی کے ساتھ گزر جائے کی وجہ سے چین کی سلطنت آگے چل کر فوجی رنگ کی ہو جائے۔ یہ لازمی بات ہے کہ لڑائی کے بعد چین کی بحالی کے پر وگرام میں زبردست فوجوں کا انتظام ضرور شامل ہوگا۔ اگر کسی اور درجہ سے نہیں تو کم از کم اس لئے ایسا ہونا ضروری ہے کہ جاپانیوں کی دراز دستی سے جو مصیبت اس ملک نے اٹھائی ہے وہ اُسے آئندہ نہ اٹھانی پڑے۔

(دج) پس یہ امید کی جاسکتی ہے کہ روس اور چین دونوں ملکہ ایشیا کے شمالی آدھے حصے کے بچاؤ کے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ ایک طرف تو یہ زبردست فوجی ڈبچہ ہوگا اور اس کے مقابل میں ایشیا کا جنوبی آدھا حصہ اختلافات بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بلقانیت کا شکار رہے گا۔ یہ اور بات ہے کہ ہندوستان اپنے اثر سے تھوڑا بہت تال میل اور ایجا باقی رکھے۔ جنوبی ایشیا کا یا یوں کہنا چاہیے کہ بحر ہند (ہند ساگر) کے علاقہ کا جو خاص سیاسی ڈھانچہ ہے باہر کی دنیا سے اس کا بہت کم مطالعہ کیا ہے اور اس کی وجہ سے اسن واماں کو جو خطرہ ہے اسے بہت کم سمجھا ہے۔ ہندوستان کو چھوڑ کر ایشیا کے جنوبی آدھے حصے کے سب ملک بہت چھوٹے امان کی فوجی حیثیت بہت کم رہے جس نے ایشیائی حیثیت سے

دیکھے تو مختلف جزیرہ نمائوں اور جزیروں کی نقشہ بندی کی وجہ سے ان ملکوں کے بچاؤ کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اس علاقہ کی آئندہ زندگی کا دار و مدار سمندری بچاؤ پر ہوگا۔ اس لئے جب تک بڑے پیمانے پر ساری دنیا میں ہتھیاروں میں کمی نہ ہو ہندوستان کو اپنی سلامتی کے لئے، اور جس علاقہ میں وہ واقع ہے اس کے امن و امان کے لئے اس کی ضرورت ہوگی کہ یا تو خود اپنی اعلیٰ درجہ کی نئے قسم کی فوجی مشینری ایک مضبوط ہوائی بیڑہ، شہری ہوا بازی کا نظام اور ایک کافی سمندری بیڑہ رکھے، یا پھر کسی دوسرے ملک سے ان باتوں کی امداد حاصل کرے۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ ہندوستان اکیلا جنوبی ایشیا کے وسیع علاقوں کے بچاؤ کا ذمہ نہیں لے سکتا، اور نہ ہندوستان یہ کر سکتا ہے کہ زمانہ کے چلن کے خلاف اپنے چھوٹے چھوٹے ہمسایہ ملکوں پر زبردستی اپنا حفاظتی راج قائم کرے لیکن ایک بڑی طاقت یا ہونے والی بڑی طاقت کی حیثیت سے ہندوستان کے اوپر بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ اور دنیا کی سلامتی کے عام نظام میں بے ضرور حصہ لینا چاہئے۔ ہندوستان کے لئے جو انتظام تجویز کیا جائے گا وہ شاید یہ ہوگا کہ وہ بڑھاپے ڈومی میوز (نوآبادیات) اور شاید کسی حد تک امریکہ کے ساتھ مل کر عدان اور سنگاپور کے بیچ کے علاقہ کے امن و امان کی کچھ ذمہ داریاں قبول کرے۔

ایشیا کے شمال اور جنوب کے آدھے آدھے حصوں میں فوجی قوتوں کی نئی ترتیب سے یہ لازم آتا ہے کہ فوجی معنوں میں یہ دونوں حصے ایک دوسرے کا بڑا برابر رکھیں۔ آج کل کے خیالات کا رخ بتا رہا ہے کہ آئندہ علاقہ داری سلامتی کے ایسے نظام کو زیادہ پسند کیا جائے گا جس میں کسی ایک ملک کو مزور حصے زیادہ بڑی فوجیں نہ رکھنی پڑیں۔ لیکن پھلی ٹرائی اور موجودہ زمانہ کے بیچ میں جو

گزارا ہے اس کا نتیجہ بتانا ہے کہ دنیا کی سلامتی، خصوصاً چھوٹے ملکوں کی سلامتی کا سوال ہتھیاروں کی عام کمی سے حل نہ ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ ایشیا کے براعظم میں فوجوں کی نئی ترتیب کا نتیجہ یہ نکلے کہ شمالی آدھے حصے کی سلامتی تو چین اور روس کے ذمہ کر دی جائے، اور چونکہ ہندوستان برطانوی کامن ویلتھ (دولت مشترکہ) کا ممبر ہے اور اس وجہ سے ایک خاص طاقت کا مالک ہوگا، اس لئے جنوبی آدھے حصے کی ذمہ داری اسے سونپ دی جائے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ دونوں علاقہ قدرتی نظام ایک دوسرے کے ساتھ تال میل کیوں نہ رکھیں اور ایک سے دوسرے کو مدد کیوں نہ ملے۔ آپس کے اس تال میل کا قدرتی طور پر یہ نتیجہ ہوگا کہ پورے براعظم کے لئے جو فوجیں ضروری ہوں گی ان میں کفایت ہو سکے گی۔ اور عام فائدہ کی خاطر ہر ملک کو جو بدھی اٹھانا پڑے گا اس میں بھی کچھ کمی ہو جائے گی۔ اور پھر اس انتظام سے بڑی دولتوں کو چھوٹی دولتوں پر کوئی ناجائز برتری بھی حاصل نہ ہو سکے گی بلکہ اگر دیکھا جائے تو چھوٹی بااختیار ریاستوں کی حفاظت اور بچاؤ کا ضامن صرف اپنی کم لاشم ہو سکتا ہے۔

حالات کی اس چھان بین میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے کہ ہندوستان کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے کتنی فوجی قوت کی ضرورت ہوگی۔ قدرتی طور پر یہ سوال فوجی ماہروں کے سوچنے کا ہے۔ ہمیں جن چیزوں سے تعلق ہے وہ یہ ہیں:-

(الف) یہ بتا دیا جائے کہ تمام ایشیائی ملک اپنی عام سلامتی کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں +

(ب) یہ ثابت کر دیا جائے کہ جب تک ہندوستان مضبوط اور اندرون طور پر متحد نہ ہوگا وہ ایشیا کی سلامتی کے بارے میں اپنی ذمہ داری پوری نہ کر سکے گا

(ج) یہ بتا دیا جائے کہ بنگلہ دیش میں سولہ آئے خود اپنی طاقت پر بھر دسہ  
 ذہبی کرے بلکہ کامن ویلتھ دولت مشترکہ میں شامل رہنے تو بھی اسے اپنے بچاؤ کی ضرورت  
 کے لئے صنعتی ترقی کے ایک بہت بڑے پروگرام پر عمل کرنا ہوگا جس میں جہاں  
 ریلوے انجن، موٹر کار اور ہوائی جہاز بنانے کے کارخانے بھی شامل ہوں گے۔ امن کے  
 کی صنعتوں کا انتظام اس طرح کرنا ہوگا کہ اس سے نہ صرف ضرورت پڑنے پر جنگی  
 سامان کی تیاری کا کام لیا جاسکے بلکہ انہیں باہر کے ملکوں سے بھی بچایا جاسکے۔

(د) یہ بتا دیا جائے کہ ہوائی اور سمندری بچاؤ کے سلسلہ میں ہندوستان اور  
 سلطنت متحدہ (یونائیٹڈ کنگڈم) ہندوستان اور آسٹریلیا اور ہندوستان  
 اور جزیریہ ایشیہ کے درمیان گہرے تعاون کی ضرورت ہے، اور

دہم اس بات کو تاکید کے ساتھ بیان کر دیا جائے کہ ہندوستان کی ڈومین  
 اور سلطنت متحدہ (یونائیٹڈ کنگڈم) کے درمیان جو عہد نامہ بھی ہو اس میں بچاؤ کے  
 مشترکہ مسائل۔ لازمی طور پر شامل ہونے چاہئیں۔

اوپر کے فقرہوں میں جو دلیلیں پیش کی گئی ہیں ان کی بنا پر بہت ممکن ہے  
 کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ہندوستان ہتھیار بندی کا ایک ایسا پروگرام شروع کرنے والا  
 ہے جس سے وہ خود لگے چل کر ایک دست دراز اور سامراجی قوم بن جائے گا جو لوگ  
 ہندوستان کے باشندوں اور ان کے تصوراتی مقصدوں سے واقف ہیں وہ اس  
 قسم کے شبہوں کو ہرگز اپنے دل میں جگہ نہ دیں گے ہندوستان ایک امن پسند  
 ملک ہے۔ امن اور شانتی کا پرچار اسے اس دلیں کی روایت ہے۔ اگر ہندوستان  
 اپنی آنکھوں سے جاپان اور جرمنی کی غارت گری کو نہ دیکھ چکا ہوتا تو ضرور اس کا رجحان  
 تخفیف اسلحہ کی طرف ہوتا لیکن جنگ کے بعد کے دور میں جو یقیناً امن اور سکون کا  
 دور نہ ہوگا، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہندوستان اپنے کو جو کم میں ڈال دے اور

اپنی سلامتی کا اتنا خیال بھی نہ کرے جتنا کہ دوسری بڑی دولتوں کو ہے پس ہندوستان کی پالیسی یہ ہوگی کہ اپنے اثر سے کام لے کر ہتھیاروں کی تخفیف کرے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ ہر ایسے نظام کی حمایت کرنے جس سے عام سلامتی کی آس بندھتی ہو۔ اس کے لئے جیسا کہ اب عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے، امن پسند دولتوں کے ہاتھوں میں بھی کچھ نہ کچھ موثر فوجی طاقت کا ہونا ضروری ہوگا۔ باقی رہا یہ سوال کہ سلطنت متحدہ اور ہندوستان کے آئندہ تعلقات کیا ہوں، اس مسئلے پر ٹائمز نے اپنی ۱۷ اگست ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں نہایت قابل تعریف پیرا یہ میں اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے:-

ہندوستان کے بارے میں جس پالیسی کا اعلان برطانیہ کی طرف سے کیا جا چکا ہے اس کی کامیابی متحدہ اقوام کے لئے حد درجہ اہم ہے۔ ہندوستان پر اس کے قدرتی وسائل اور حسرتنا فیاضی حالات کی وجہ سے دنیاوی نظام میں بین الاقوامی حیثیت سے حصہ لینے کی جو ذمہ داری عاید ہوتی ہے وہ اُسے صرف اسی صورت میں پورا کر سکتا ہے کہ یہ پالیسی کامیاب ہو۔ ہندوستان کو بھاری ذمہ داریاں اٹھانی ہوں گی۔ جنوب مشرقی ایشیا کی سب سے بڑی طاقت بننے کی جو صلاحیتیں ہندوستان میں موجود ہیں ان کی وجہ سے اس علاقہ کو آئندہ دست درازی سے بچانے میں ہندوستان کا حصہ ناگزیر ہوگا۔.....

آئندہ چل کر ہندوستان اور برطانیہ کے جو تعلقات بھی ہوں مہذب دنیا کے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ ان تعلقات کی بنیاد بھی شراکت پر ہو۔ یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ اگر اس وقت برطانیہ اور ہندوستان کے مابین ایک دوسرے سے الگ تھلک رہے تو ہندوستان کی مہکلیں حل

نہ ہو سکیں گی، برطانیہ کی نیت چاہے کتنی نیک ہو لیکن صرف اسی سے کام دینے لگا۔ اور آگے چل کر ہندوستان کی آزادی کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو ہندوستان کو اس کی ضرورت ہے اور اسے حق پہنچنا ہے کہ وہ برطانیہ سے کہے کہ آؤ اور ہمارے گھر کی حالت سدھارو۔ یہی ترقی کے لئے دو باتیں ضروری ہیں پہلی بات تو یہ کہ ہر سرسبز دوسرے فریق کی مشکلات سمجھنے پر آمادہ ہو، اور دوسرے یہ کہ وسیع تر مفاد کو محض کسی شخصی، فرقہ واری، یا قومی وقار کی خاطر پس پشت نہ ڈال دیا جائے۔

# دوسرا باب

## بین الاقوامی ملاحظیات

### محکمہ امور خارجہ

باہر کے ملکوں کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات اب تک زیادہ تر لندن کے دفتر خارجہ کی عام ہدایت اور نگرانی میں طے پاتے ہیں بدیسی ملکوں میں بادشاہ مسلا کی حکومت کے نام سے ہندوستان کے مفاد کی بھی دیکھ بھال کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی سرکار ہند کے محکمہ امور خارجہ کے کام اور اس کی اہمیت میں بھی برابر اضافہ ہوتا رہا ہے۔ شروع شروع میں اس محکمہ کا کام شمال مغربی سرحد کے مقامی انتظامی اداروں اور بلوچستان کی دیکھ بھال، اور قبائلی علاقوں اور سرحدی ریاستوں سے متعلق تھا لیکن اب اس قسم کا کام پھیل گیا ہے۔ یہ پھیلاؤ اس وقت سے شروع ہوا جب پہلی عالمگیر لڑائی کے بعد افغانستان اور نیپال پوری طرح خود مختار ریاستیں بن گئیں، اور ان ملکوں کے لئے انگریزی نمائندوں کا انتخاب اس سرحد کے ممبروں میں سے ہوتا رہا جسے اب انڈین پولیسکل سرحدس کہتے ہیں ان دونوں ملکوں اور برطانیہ کے تعلقات کو ہندوستان کے خارجی تعلقات کی حیثیت سے دیکھنے کا رجحان حال میں نمایاں ہوا ہے۔ آج کل کی لڑائی نے سرکار ہند کو یہ

کھا دیا ہے کہ اب وہ اپنی نظریں اپنی قریبی سرحدوں اور پختی ہمسایوں سے اور آگے بڑھاتے۔ چین امریکہ اور روس ہندوستان کے اتحادی بن گئے، ان کے اور ہندوستان کے درمیان معاشی کڑیاں مضبوط ہو گئیں۔ برطانیہ کے مختلف میدانوں میں ہندوستانی فوجوں کے بھیجے جانے کی وجہ سے نئے تعلقات پیدا ہوئے اور نئے نئے مسائل وجود میں آئے۔ اب آج کل سرکار ہند امریکہ اور چین کی حکومتوں کے ساتھ براہ راست سفارتی تعلقات رکھتی ہے اور مشاہد جلد ہی وسطی مشرق اور جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کے ساتھ بھی ایسے ہی تعلقات قائم ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ اب ہندوستان اپنے بانی کشر مختلف ڈومیٹینوں (نوآبادیات) میں متور کر رہا ہے، اگرچہ ان کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات محکمہ امور خارجہ کی سیلئے محکمہ تعلقات دولت مشترکہ کا من و ملتہ ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ کی نگرانی میں ہیں۔

امور خارجہ کا موجودہ محکمہ پرانے محکمہ سیاسہ و خارجہ (فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ) کی ایک شاخ ہے جو امور خارجہ اور دیسی ریاستوں دونوں کے معاملات کی دیکھ بھال کے لئے قائم ہوا تھا۔ ۱۹۴۵ء کے قانون کی رو سے دیسی ریاستوں سے متعلق مسائل گورنر جنرل باعلاص کونسل کی اختیاری حدود سے بحال لئے گئے اور اب نمائندہ تاج کی ذمہ داری میں آگے ہیں جس کا عہدہ گورنر جنرل کے عہدے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ محکمہ سیاست (پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ) کے نام سے ایک الگ محکمہ بنا دیا گیا ہے۔ جو نمائندہ تاج کے ماتحت ہے، اور محکمہ امور خارجہ کا قلمدان دائرے کے پاس ہے۔ ان دونوں محکموں کے افسران پین پولٹیکل سرورڈ کے آدمی ہوتے ہیں جس میں اب تدریجی طور پر ہندوستانیوں ہی کے تقریبات

ہور ہے ہیں +

محکمہ امور خارجہ کا کام یہ ہے کہ بادشاہ سلامت کی حکومت کو ہندوستان

کے خارجی معاملات اور ضرورتوں کے بارے میں صلاح مشورہ دے۔ جبے ہندوستان کو لڑائی کے بعد ڈومی نین کا درجہ دینے کا وعدہ ہوا ہے اس حکم کی سرگرمیاں اور ذمہ داریاں آئے دن بڑھتی جا رہی ہیں اس کا کام کچھ اس طرح رہ رہ کے ادر بے بے پن کے ساتھ پھیلا ہے کہ اب باہر کے ملکوں میں ہندوستان کے خاص معاملات کا مکمل جائزہ لینا ضروری ہو گیا ہے۔ خارجی معاملات میں بادشاہ سلامت کی حکومت اور سرکار ہند کے درمیان جو اشتراک مفاد آج کل موجود ہے اس میں ابھی کافی عرصہ تک خلل نہ پڑنا چاہیے، ورنہ ہندوستان کے خارجی تعلقات میں ابتری پیدا ہو جائے گا اندیشہ ہے۔ اگر ہندوستان کو آئندہ بادشاہ سلامت کی حکومت کی سفارتی مصلحت (ڈپلومیسی) کا ساتھ دینا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے بھی چرپسی بنائی جائے اس میں بھی برطانیہ کے دفتر خارجہ کے وسیع اور کئی برس کے تجربے سے فائدہ اٹھائے۔ اس سے بھی زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان ہندوستانوں کا ایک سفارتی زمرہ بنایا جائے اور انہیں باہر کے ملکوں میں سفارتی عہدوں پر کام کرنے کی تربیت دی جائے۔ ہر ملک کا تجربہ بتاتا ہے کہ سیاست دانوں کو خواہ وہ پبلک زندگی میں کتنے ہی قابل اور ممتاز کیوں نہ ہوں، باہر کے ملکوں میں نمائندہ بنا کر بھیجا خطرناک ہوتا ہے تا وقتے کہ ان کے عملے میں ایسے آدمی نہ ہوں جو سفارتی پالیسی اور طریقہ کار کے گرد سے واقف اور تربیت یافتہ ہوں۔

پچھلے دس سال کی مدت میں آہستہ آہستہ ہندوستان کی سمندر پار کی تجارت براہ راست اس کی اپنی تجارتی میں آتی جا رہی ہے۔ اب ہندوستان کی تجارتی ایجنٹ اور تجارتی کمشنر، امریکہ، کناڈا، جنوبی امریکہ، مصر، ایران، افغانستان، جنوبی افریقہ، مشرقی افریقہ اور آسٹریلیا میں موجود ہیں۔ لڑائی سے پہلے تو کیو، برلن اور میلان

میں بھی ہندوستان کے تجارتی نامے رہا کرتے تھے۔ چونکہ سرحدست برہمنی حکومت  
 ان تجارتی کشتیوں کو کوئی سفارتی مرتبہ حاصل نہیں ہے اس لئے خالص تجارتی  
 معاملات کے علاوہ اور باتوں میں کارروائی کرنے سے وہ معذور ہیں اور تلافی  
 ان سفارتی مرتبہ نہ دیا جائے وہ کسی قسم کا تفصیلی کام نہیں کر سکتے۔ تجارت اور  
 معاشیات دونوں سفارتی تعلقات کا اہم جزو ہیں۔ ہنگامہ میں ضرورت اس کی  
 ہے کہ محکمہ تجارت (کامرس ڈیپارٹمنٹ) اور محکمہ امور خارجہ میں باہمی مفاہمت پیدا  
 کی جائے۔ تاکہ ہمارے تجارتی نامے ان دونوں محکموں کے اطمینان کے مطابق  
 اپنے دہرے فرائض پورے کر سکیں اس کی سب سے بہتر صورت یہی ہو سکتی ہے کہ تجارت  
 ہندوستانی سفارتی عہدہ داروں کو محکمہ تجارت کی نگرانی میں کام سکھایا جائے اور  
 ساتھ ہی محکمہ تجارت کے عہدہ دار محکمہ امور خارجہ کے کاموں کی واقفیت حاصل کریں  
 محکمہ امور خارجہ کے وہ کون سے خاص کام ہیں جو فی الوقت دل چسپی کا موضوع  
 بنے ہوئے ہیں ان بڑے بین الاقوامی معاملات کی بحث جو ہمیشہ درپیش رہتے ہیں اور جو  
 ہندوستان اور ساری دنیا میں مشترک ہیں، ہم مناسب مقام پر کریں گے، لیکن  
 ان کے علاوہ کچھ ایسے روایتی اور ہمارے طلب معاملات بھی ہیں جن کا تعلق ہندوستان  
 کی قریبی سرحدوں سے ہے اور جو اس محکمہ کے دائرہ عمل میں داخل ہیں۔ ان سے ایک  
 طالعہ باب میں بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

# تیسرا باب

## قبائلی علاقے اور سرحدی ریاستیں

ہندوستان کی شمال مغربی اور شمال مشرقی دونوں سرحدوں پر ایسے منقطعہ موجود ہیں جنہیں قبائلی علاقے کہا جاتا ہے اور جو برطانوی ہندوستان کی انتظامی حدود اور ہندوستان کی بیرونی سرحدوں کے درمیان حد فاصل ہیں۔ دو جگہوں کے سوائے، جن میں سے ایک بلوچستان میں ہے اور دوسرا شری گڑھ وال اور کسی جگہ ہندوستان کی انتظامی حد اور بیرونی سرحد ایک دوسرے سے نہیں ملتی ان قبائلی علاقوں کی رعایا نیم خود مختار قسم کی ہے اور حکومت ہند کے ساتھ اس کے تعلقات گورنر جنرل کے ان ایجنٹوں کے توسط سے قائم ہیں جن کے علاقہ میں وہ آ رہے۔ سرکار ہند کی پالیسی برابر یہ رہی ہے کہ ان علاقوں میں تدریجی طور پر بود و باش کے باقاعدہ حالات پیدا کیے جائیں، چنانچہ اس غرض سے اس نے مقامی اور قبائلی زندگی کے ڈھچھ کو دھچھکا کر بغیر شکرین، ہسپتال اور مدرسے بنا کے ہیں اور معاشی حیثیت سے ان علاقوں کو ترقی دی ہے۔ ان علاقوں کے مقامی پولیسٹیکل افسروں کے سامنے سب سے بڑا سوال پہرہ چوکی کا ہے۔ چونکہ قبائلی باشندے نیم وحشی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے علاقے

معاشری حیثیت سے پست ہیں، اس لیے وہ آس پاس کے برطانوی اضلاع پر بھی بھجی دھاوے بول دیتے ہیں سرحد پر امن و امان کے انتظام کے سلسلے میں ایک اعلیٰ درجہ کی شہری فوج وجود میں آگئی ہے، جس نے سرحد پر پہرہ چوکی کی اعلیٰ اور بہادرانہ رویا قائم کر دی ہیں۔ اس فوج کی تنظیم نیم فوجی اصولوں پر کی گئی ہے۔ لیکن اس کا اعتماد زیادہ تر اپنی نقل و حرکت کی قابلیت اور جسمانی صلاحیت پر ہے، اور وہ جھڑپ بازی میں جو قبائلی باشندوں کا خاص مشغلہ ہے خود ان سے بھی سبقت لجاتی ہے ٹوچی اور جنوبی وزیرستان کے اسکاوٹوں، کرم کی بلتیا جمعیت پتھرال اور گلگت کے اسکاوٹوں اور آسام رائفلز کے نام خاصہ معروف اور مشہور ہیں اور ان کے تفصیلی بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ ان جمعیتوں میں زیادہ تر ایسے نوجوان فوجی افسر جاتے ہیں جنھیں ہم جوئی کاشوق ہو۔ ان علاقوں کے اندرونی انتظام کی ذمہ داری پولیس افسروں پر ہوتی ہے جو قبائلی چودھریوں کے توسط سے، اور قبائلی دستور کے مطابق ان کے مقامی جھگڑے چکاتے ہیں۔ قبائلی باشندوں میں سے بعض نہایت اعلیٰ درجہ کی سپاہیانہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے پچاؤ اور ہندوستان کی سرحدوں کی سلامتی میں ان کی خیر خواہی اور دوستانہ تعلقات سے قابل قدر مدد ملتی ہے۔ موجودہ لڑائی میں ناگاکا پہاڑی کے قبیلے والوں نے جو مدد کی ہے وہ معمولی نہیں جاسکتی، اور نہ اسے بھلانا چاہیے پس ان علاقوں میں امن و امان اور انتظامی نگرانی قائم رکھنا ہندوستان کی سلامتی اور امن و امان کا ایک لازمی جز ہے۔

## سرحدی ریاستیں۔

ان میں سب سے زیادہ اہم بلوچستان کی ریاستیں، قلات، لاس بلوچ اور خاران شمال مغربی سرحدی صوبہ کی ریاستیں دیر، سوات اور پتھرال، گلگت اور چینی کی

ریاستیں۔ ہنزہ، ناگر، پنجپال اور کوہ غزرا اور بہالیہ کے دامن میں سکھ اور بھوجان ہیں۔ ان ریاستوں کو نائندہ تاج کے ماتحت ایسی ریاستوں کا درجہ حاصل ہے لیکن ان کے خاص حالات کی وجہ سے ان کے معاملات کا تعلق محکمہ پور خارجہ سے ہے۔ ہندوستان کی سرحدوں پر ان ریاستوں کے محل وقوع کی وجہ سے ان کے مسائل خارجہ نوعیت کے بن گئے ہیں۔ دراصل ان علاقوں کے اندرونی انتظام میں دخل دینے کی ضرورت بہت کم پڑتی ہے خوش قسمتی سے ان میں بسنے والے قبیلوں میں ایسے لیڈر پیدا ہو گئے ہیں جو ان پر حکومت کرنے کی قدرتی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے ایسے ان ریاستوں کی خاص اہمیت یہ ہے کہ وہ اس سرحد پر جو ان کے علاقوں کے اندر واقع ہے امن و امان قائم رکھ سکیں۔ ان کی وجہ سے ہندوستانی خزانہ پر ان چھوٹی قوموں کا بار نہیں پڑنے پاتا جو کبھی کبھی، اور خاص طور پر ایسے علاقوں میں ضروری ہوتی ہیں جہاں کے قبیلے سردار کے ہوں اور جہاں پہرہ چوکی کی ذمہ داری سرکار ہند کے سر ہے۔ ان سرحدی حکمرانوں میں سے بعض روشن خیال ہیں اور غیر معمولی انتظامی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علاقوں میں نظم و انضام کے اعلیٰ طریقے رائج کیے ہیں۔ ایسے حکمرانوں کی ایک متنازعہ مثال والی سوات ہیں جنہوں نے قبائلی لوگوں سے ہتھیار رکھوا کر نہ صرف اپنے علاقہ میں پہرہ چوکی کے مسئلہ کو حل کر دیا ہے بلکہ امن پسندانہ مشاغل، مثلاً کھیتی باڑی اور گھریلو صنعتیں پیدا کر کے اوزر سڑکیں بنوا کر اوٹیلیفون کا ایک اچھا سلسلہ قائم کر کے عسری علاقہ میں امن و امان قائم رکھنے کی ایک قابل تقلید مثال پیش کر دکھائی ہے۔ بد قسمتی سے ان قبائلی علاقوں میں جہاں کوئی سردار نہیں ہے لوگ اتنے انفرادیت پسند ہوتے ہیں کہ ان میں ایسے سردار پیدا نہیں ہوتے جن کا حکم سب مانیں۔ ایسے قبیلوں کے ساتھ سرکار ہند کو لازمی طور پر براہ راست سردار رکھنا پڑتا ہے۔

## جائی ریاستیں

افغانستان، انیسویں صدی کے آخر میں جب ہندوستان کے طول و عرض میں انگریزی راج قائم ہو گیا تو سوائے روس کے ایشیا میں کوئی اور طاقت ایسی نہیں تھی جس سے ہندوستان کو خطرہ ہو۔ چنانچہ صحیح یا غلط طور پر انگریزوں ہی کو اپنے ایشیائی مقبوضات کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھنے لگے۔ افغانستان کے ساتھ لڑائیاں اور ایران کے معاملات میں انگریزوں کی چارناچار دلچسپی۔ یہ اسی خوف کا قدرتی نتیجہ تھے افغانستان کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کئی دوروں سے گزر چکے ہیں ایک خاص عہد نامہ کی رو سے افغانستان کی ان حدود کا جو روس اور ہندوستان سے ملتی ہیں یقین کیا گیا اور روس اور انگلستان دونوں نے افغانستان کی سرحد کے احترام کی ضمانت کی۔ ۱۹۰۷ء کی تیسری جنگ افغان کے بعد انگریزوں نے افغانستان کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا، اور ہندوستان اور افغانستان کے درمیان ایک عہد نامہ کی رو سے افغانی درآمد اور برآمد کے لئے ہندوستان میں ایک آزاد راستہ قائم کر دیا گیا۔ افغانستان ایک پہاڑی ملک ہے جس کے مشرقی اور جنوبی حصوں میں پٹھان یا افغان قبائل آباد ہیں جو ہندوستان کی سرحد کے اندر رہنے والے اپنے ہم قبیلہ لوگوں کے ساتھ گہرا ربط اور سماجی اور معاشی تعلقات رکھتے ہیں۔ ان کے پاس نئی قسم کی رائفلیں ہیں، اور ان کی شور پستی ضرب المثل ہے۔ چنانچہ جب کبھی افغانستان کے اندرونی امن و امان میں خلل پڑتا ہے تو اس کا اثر ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد پر ضرور پڑتا ہے۔ شمالی افغانستان کی آبادی تاجیک اور ازبکوں پر مشتمل ہے جو ترکمانوں کے لوگ ہیں۔ اور جن کے کچھ گروہ سوویت روس

لے ایسی ریاست جو وکٹوریوں کے درمیان بلوچستان واقع ہو (دفعہ ۱۰)

میں بھی آباد ہیں۔ مغربی اور جنوب مغربی علاقوں کے باشندے ایرانیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ احمد شاہ درانی کے حملہ ہندوستان کے بعد سے افغانستان کے حکمران خاندان کا سلسلہ کسی نہ کسی درانی قبیلہ ہی سے رہا ہے۔ موجودہ حکمران خاندان بابر کی ذریعہ قبیلہ کی محمد زئی شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ شاخ قندھار میں آباد ہے۔ تقریباً سارے افغانی سنی اور حنفی المذہب ہیں۔ حال میں حکمران طبقہ کی طرف سے ملک میں تعلیم اور جدید خیالات کو رواج دینے کی زبردست کوشش کی گئی ہے۔

ہندوستان اور افغانستان آپس میں بڑے پیمانہ پر تجارت کرتے ہیں۔ افغانستان کی خاص برآمدیں، ہموں، قالین اور تازہ اور خشک میوے ہیں۔ ہندوستان افغانستان کو پٹرول، شکر، چاء، گیہوں، طرح طرح کی استعمالی چیزیں اور مشینری بھیجتا ہے۔ افغانستان کے پاس اپنی کوئی بندرگاہ نہیں ہے اور وہ اپنی ہندو پارکی تجارت کے لیے ہندوستانی بندرگاہوں کا دست نگر ہے۔ اس طرح ان دونوں ملکوں کے درمیان ایک قریبی معاشی رشتہ قائم ہے۔

افغانستان کی خود مختاری اور ہندوستان کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات یہ دونوں چیزیں ہندوستان کے بچاؤ کے لیے ناگزیر ہیں۔ فوجی، سیاسی، معاشی، تجارتی اور ثقافتی رکھل (غرض کہ ہر کیفیت سے ہندوستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے افغانستان کے ساتھ اپنی ہمسائیگی کے تعلقات کو اور زیادہ مضبوط بنا سکے۔

نیپال شمال اور شمال مشرق میں ہندوستان کی سرحد کے ڈانڈے چین سے ملتے ہیں۔ نیپال اور تبت کے علاقے جو چالیہ سے لگے ہوئے ہیں ہندوستان اور چین کے درمیان حد فاصل ہیں۔ نیپال کے ساتھ ہندوستان کا لگاؤ ان دو

لڑائیوں کی وجہ سے ہوا جو ہندوستان کو اپنی حفاظت کے لیے لڑتی پڑتی ہیں۔  
 عہد نامہ سگوتی کی رو سے کچھ علاقہ ہندوستان کو مل گیا۔ اور نیپال کے ساتھ  
 اس کے تعلقات مضبوط وستانہ بنیادوں پر قائم ہو گئے۔ گورکھ جو کسی زمانہ میں  
 ہندوستانی اور بنگلہ دیشی فوجوں کے خلاف بہادری سے لڑتے تھے  
 بعد کو ہندوستان کی لڑیت فوجوں کا خاص حصہ بن گئے۔ لاکھوں نیپالی آج ہندوستان  
 میں سولہ مشاغل میں کچھ ہوئے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد نیپال کی خود مختاری  
 تسلیم کر لی گئی اور بعد کو ایک تجارتی اور معاشی عہد نامہ کی رو سے نیپال کو بھی ہندو  
 کے ساتھ در آمد برآمد کی وہی آسانیاں دی گئیں جو افغانستان کو حاصل ہیں۔

نیپال ایک ہندو ریاست ہے اور اگرچہ اس کے پہاڑی علاقہ کے باشندے  
 بدھ مت کے پیرو ہیں اور نسل کے اعتبار سے منگول ہیں، پھر بھی یہ ملک بجائے بت  
 اوچھین کے ہندوستان ہی کو اپنی قدرتی گزرگاہ سمجھتا ہے۔ نیپال ایک پست حال  
 ملک ہے اور ضرورت ہے کہ اسے صنعتی بنایا جائے۔ ہندوستان کی طرف سے  
 اس ملک میں نئی باتیں رائج کرنے کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ ایک طرح سے خود  
 اس ملک (ہندوستان) کے لیے فائدہ مند ہوگی کیونکہ اس طرح ہندوستان کی  
 تجارت کی مقدار بڑھے گی اور یہاں کے ہندو مزدوروں کو کام ملے گا۔ اس لیے  
 نیپال کی خیر خواہی حاصل کرنا ہندوستان کے لیے بہت زیادہ قدرتی قیمت رکھتا ہے  
 سیاسی حیثیت سے نیپال ہندوستان اور شمال کے درمیان ایک طرح کی حجابی  
 ریاست ہے تہذیبی حیثیت سے ہندو ہندوستان کے ساتھ اسے گہرا لگاؤ ہے۔

یہی وہ دیس ہے جہاں شروع شروع میں جہاں تادمہ نے سفر کئے۔ گورکھ ہمیشہ ہندوستانی  
 فوجوں کا ایک قابل قدر جزو بنے رہیں گے۔ بڑے افسوس کی بات ہوگی۔ اگر ہندوستانی  
 قوم پرست نیپال اور افغانستان کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کے بارے میں

وسعت نظر سے کام نہ لیں گے، اور انتہائی بدبختی ہوگی اگر مسلم ہندوستان کو ان میں سے ایک اور ہندو ہندوستان کو دوسرے ملک کی طرف سے پھیرنے کی کوشش کی گئی اور اس طرح ان دونوں ملکوں کے ساتھ پورے ہندوستان کی دوستی کو غارت کر دیا گیا۔ خوش قسمتی سے نیپال اور افغانستان دونوں ملکوں کے حکمران طبقے اس بارے میں ان عناصر سے زیادہ دور اندیش ہیں جو ہندوستان کی سیاسی زندگی میں انتشار پھیلاتا آچکا ہے۔ افغانستان اور نیپال کی حکومتیں ہندوستان کو ایک ملک اور اس کے باشندوں کو ایک قوم مانتے ہیں۔ ادھر اکثر سھرا اور بھیرت رکھنے والے ہندوستانی بھی پکوش کر رہے ہیں کہ کسی طرح سے بین قومی سیاسیات میں فرقہ واریت پیدا کرنے کے اس رجحان کی جو ان کے کسی قدر کوتاہ اندیشیوں میں پید ہو گیا ہے روک تھام کریں۔

اہمیت ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ نیپال اور تبت دونوں خود مختار ملک ہیں تبت کی حیثیت کسی قدر تشریح چاہتی ہے۔ چین تبت کو اپنا ہی ایک حصہ سمجھتا ہے لیکن تبتیوں نے تبت والوں نے چینی فوجوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا تھا، اس کے بعد ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۴ء میں شملہ میں ایک تین فریقی کانفرنس اس غرض سے کی گئی کہ چین کے مقابلہ میں تبت کے مرتبہ اور اس کی سرحدوں کو معین کر دیا جائے، لیکن چین کی نئی جمہوری حکومت نے اس کانفرنس کے فیصلوں کو رد کر دیا۔ برطانوی حکومت کی پالیسی اس بارے میں یہ ہے کہ وہ تبت پر چین کے حق اقتدار کو ماننے پر تیار ہے بشرطیکہ چین بھی تبت کی خود مختاری کو ایک امر واقعہ کی حیثیت سے مان لے اور اس کا احترام کرے۔ اس کے بعد سے تبت نے چین کے بجائے سرکار ہند کو اپنے خارجہ تعلقات کا واسطہ بنا لیا ہے چونکہ اب ہندوستان اور چین دونوں تبت کی مقامی خود مختاری میں دلچسپی رکھتے ہیں اور دونوں ملک بھی چاہتے ہیں کہ تبت اپنی ریایات کے بموجب ترقی کرے اس لیے تبت کے

مسئلہ پر اب ان دونوں ملکوں کے درمیان کسی غلط فہمی کا امکان نہیں ہے۔ تبت ایک زمین بستہ ملک ہے اور سمندر تک اس کے پہنچنے کا ناقابلہ چین کی بہ نسبت ہندوستان ہو کر کم ہے۔ اس لیے ہندوستان کے ساتھ تجارت کو تابت کے لیے زیادہ آسان ہے۔ ہندوستانی تاجر تک، سالے اور استعمالی چیزیں وہاں بھیجتے ہیں اور تبت ہندوستان کو ریشم اور اون بھیتا ہے ہندوستان و تبت کی درمیانی سرحد کچھ علاقے ابھی تک پوری طرح معین نہیں ہیں لیکن اس کی وجہ سے ان دونوں ملکوں کے درمیان کبھی کوئی غلط فہمی پیدا ہوسکتی نہیں پائی۔ یہ مسئلہ دوستانہ بات چیت سے طے ہو جائے گا اگر ہمیں اس سرکار ہمسلمہ کے نمائندے کی موجودگی سے دونوں ملکوں کو اپنے آپس کے سیاسی و سماجی اور تہذیبی تعلقات کو مضبوط بنانے کا موقع ملتا ہے۔ تبت کے باشندے بعض باتوں میں ایشیا کے سب سے اچھے لوگ کہے جاتے ہیں۔ ان کے سیاسی اور حکومتی معاملات بدھ مت کے نصب العین کے مطابق ہیں چنانچہ دلائی لاما اور اس کے ماتحت لاماؤں کی حکومت جو حکومت الہیہ کے اھمولوں پر چلائی جاتی ہے اس کا ثبوت ہے۔ ہندوستان اور تبت کے باشندے آپس میں گہرا تصوراتی تعلق رکھتے ہیں چنانچہ تبت والے سنکرت حروف تہجی استعمال کرتے ہیں اور دوسری طرف بدھ مت نے ہندوستان ہی میں جنم لیا۔ تبت کے نئے نئے طریقوں کی وجہ سے اب ہمالیہ پہاڑوں کی رکاوٹ نہیں رہا جیسا کہ پہلے تھا ابھی سال دو سال کی بات ہے کہ قازقون کے جتھے کے جتھے تبت سے گھومتے ہوئے شمالی راستوں سے کثیر آہنچے تھے۔ تبت میں تجارت کی ترقی کے بڑے امکانات ہیں اور ہندوستان بھی بشرطیکہ وہ اس ملک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ آج کل بھی ہندوستان سے جو رسوخیں جاتی ہیں وہ تبت کے راستوں ہی سے جاتی ہے۔

لے جس کے لیے کوئی درمیانی یا سمندری گزرگاہ نہ ہو

# پوتھاباب

ہندوستان کے ہمسائے

(الف) خلیج فارس

ایران اور عرب کے وہ حصے جو خلیج فارس کے ارد گرد واقع ہیں اور جزیرہ بحرین۔ ان سب کو ملا کر خلیج فارس کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں زیادہ تر عرب ریاستیں ہیں۔ وسطی عرب کے بدوؤں یا ان قبیلوں کے مقابلہ میں جو عرب کے جنوبی ساحل کے آس پاس واقع ہیں، خلیج فارس کے علاقہ کی آبادی علی سبلی سمندر، سفر کی معادی اور تجارت اور کاروبار کی شائق ہے۔ یہاں کے بازاروں میں آپ کو بڑے ہوشیار کاروباری لوگ نظر آئیں گے۔ بحرین ہی وہ مرکزی مقام ہے جہاں پچھلے سو برس میں برطانیہ کے سرکاری اغراض کے اثر سے جدت پسندی کا دور شروع ہوا اور اب امریکہ کے تجارتی اغراض کی وجہ سے اس میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

ہندوستان اور خلیج فارس کے علاقوں کے درمیان سندیوں سے تجارت اور باہمی ربط چلا آ رہا ہے۔ سمندری ڈاکوؤں کی روک تھام اور سمندری راستوں کی حفاظت کے سلسلے میں ہندوستان نے اس علاقہ میں بہت کچھ

روپیہ اور خون بہایا ہے اور اسی کے نتیجہ کے طور پر آج ہندوستان کی سیاسی ریڈیٹنسی بحریں میں قائم ہے اور خلیج فارس کا علاقہ رفتہ رفتہ ہندوستان کے سیاسی اثر سے سخت آگیا ہے۔ ہندوستان سے ملنے چادل گبون، کپڑا، استعالیٰ چیزیں اور شنیری خلیج کے علاقہ میں برآمد ہوتی ہیں، اور وہاں سے تیل اور کچور وغیرہ کی درآمد ہوتی ہے۔ بحریں کے موتی ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ حال کے ایک انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان اور خلیج کے علاقہ کے درمیان تجارت کی مالیت ڈو کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ ہندوستانی فرموں نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی ہیں خاصہ نام پیدا کر لیا ہے، اور وہاں ان کی بڑی عزت ہے۔ ہندوستان سے جو زائر عراق جاتے ہیں وہ خلیج کے راستہ ہی سے جاتے ہیں۔ ان دونوں ملکوں کے تعلقات نرے تاریخی اور زمانہ قدیم کے نہیں ہیں بلکہ نقل و حمل کے وسیلوں کی تبدیلی سے آئندہ اور گہرے ہو جائیں گے۔ خلیج فارس ہندوستان اور یورپ کے درمیان ہوائی راستہ پر واقع ہے۔

اس علاقہ کے ساتھ ہندوستان کی دلچسپی صرف معاشی معاملات ہی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خلیج کے علاقہ کی سلامتی اور خود مختاری میں گہری دلچسپی خود اس کے اپنے بچاؤ کے لئے بھی ضروری ہے پھمپلی اور موجودہ دونوں جنگوں میں ہندوستان کے بچاؤ کی لڑائیاں وسطی مشرق میں لڑی گئی تھیں اور ہندوستان کی سلامتی کو دشمن کی طرف سے جو خطرہ تھا اس کی روک تھام کے لئے ہندوستان کی مہاتی فوجیں خلیج ہی کے راستہ سے گئی تھیں۔ جاپانیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ اگر

جزمن قفقاز پار کر لیں تو وہ اسی علاقہ میں ان کے ساتھ مل جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس علاقہ نیز عدن پر جس ملک کا بھی تصرف ہوگا وہ ہندوستان اور یورپی افریقہ اور انگلستان اور اسٹریلیا کے درمیان سمندری راستوں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ انہی مفادات کی حفاظت کے لئے ہندوستان نے ایک خاص پالیسی بنالی ہے اور اس کی تکمیل کے ضروری انتظامات بھی کر لئے ہیں۔ مقامی شیوخ اولہ حکمرانوں کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات خلیج فارس کے رزیڈنٹ کے توسط سے قائم ہیں جس کے ماتحت کئی پولیٹیکل افسر ہیں۔ ہندوستان اور برطانیہ کے آئندہ تعلقات پر غور کرتے وقت ان حقوق کا بھی لحاظ رکھنا پڑے گا جو ان حکمرانوں کو عہد ناموں کی رو سے حاصل ہیں۔ ہندوستان میں اس علاقے کے باشندوں کے لئے جدید سائنٹفک طریقے سیکھنے اور ایسی عام تعلیم حاصل کرنے کے بے شمار موقعے ہیں جن کی بدولت وہ خود اپنے ملکوں کو ترقی کی راہ پر لگا سکیں۔

### (ب) فارس یا ایران

اپنی جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے ایران بھی ہندوستان کا اہم ہمسایہ ہے۔ ٹراسپرشین (ماورائے ایران) ریلوے نے روس اور خلیج فارس کے درمیان ایک نیا راستہ کھول دیا ہے اور جنگی رسد پہنچانے کے سلسلہ میں جو اور راستے بنے ہیں وہ خلیج فارس تک اور نسکی، زاہدان اور مشهد سے ہو کر آتے ہیں۔ ایران کے تیل کے چشمے ایشیا میں سب سے زیادہ سیر حاصل ہیں اور ان میں متعدد ہندوستانی کام کرتے ہیں۔ ہندوستان کو جن ذریعوں سے پٹرول ملتا

جسے ان میں ان چیزوں کا بھی خاص حصہ ہے اور جوں ہوں ہندوستان کی صنعت  
 ترنی کر لگی کارخانے چلانے کے لئے ایران کے تیل کا استعمال اور بڑھ چکے گا۔  
 ہندوستان ایران کو چائے، کافی، کھانے پینے کی چیزیں اور استعمالی چیزیں برآمد کرتا  
 ہے۔ ہندوستان سے جو اتر عراق جاتے ہیں اور راستہ میں مشہد اور قم کی  
 زیارت گاہوں پر بھی حاضری دینا چاہتے ہیں وہ زاپدان۔ مشہد کا راستہ  
 اختیار کرتے ہیں۔ ایرانی کلچر (ثقافت) نے ہندوستان پر بہت گہرا اثر ڈالا  
 ہے۔ اس نے ہماری شاعری اور فنِ تعمیر کو مالا مال کیا ہے۔ اکثر سماجی (سوشل)  
 رسوم آج بھی ہندوستانیوں اور ایرانیوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں۔

دو عالمگیر جنگوں کے درمیان جو زمانہ گذرا اس میں ایران نے ریاستی  
 اجارہ داری کی پالیسی شروع کر دی تھی جس کی وجہ سے اس کے  
 ساتھ ہندوستان کی تجارت قریب قریب ختم ہو گئی۔ مغربیت پسندی  
 کی جو پالیسی رشا شاہ نے جبراً چلائی تھی اگرچہ اس کا اثر محض نمائشی اور  
 سطحی ہوا، پھر بھی اس کی بدولت ایرانیوں میں اپنی برتری کے متعلق کچھ  
 غلط فہمی ہو گئی اور ہندوستانیوں کے ساتھ ان کے تعلقات میں  
 کچھاؤ اور دوری پیدا ہو گئی۔ امید ہے کہ اب ایرانیوں کو کچھ سمجھ  
 آ جائے گی اور تعلقات کا ایک نیا باب شروع ہو گا جس سے ایرانیوں  
 میں ہندوستان کے بارے میں پہلے سے زیادہ مفاہمت پیدا  
 ہو جائے گی۔

ایرانی بڑے پر لطف اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ اس عربی اثر  
 کے باوجود جو ایران میں اسلام کے شروع ہونے کے بعد پھیلا،  
 انہوں نے اپنا الگ طرز زندگی قائم رکھا ہے۔ ان کی شاعری اور

ادبیات، فنون اور کلمہ سے ساری دنیا نے فیض پایا ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہوگی اگر ایشیا کا یہ مایہ ناز ورثہ محض مغرب کی سطحی تعالیٰ کی وجہ سے خراب ہو جائے۔ ایران اور ہندوستان دونوں ایک دوسرے کو بہت کچھ دے سکتے ہیں۔ قدرت کا منشا، یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ملک اچھے ہمسایوں کی طرح رہیں، اور آگے چل کر ایشیا کی نجات بھی ان کے آپس کے گہرے تعاون پر منحصر ہے۔ حال میں ایرانی کپھل مشن (ہیت فرہنگی ایران) کے ہندوستان کے دورہ سے آپس کی مفاہمت بڑھ گئی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ جب ہندوستان سے ایک مشن دورہ باز دید پر ایران جانے گا تو دونوں ملکوں کے درمیان پائیدار دوستی کا راستہ کھل جائے گا۔

پچھلے زمانہ میں ایران کے ساتھ ہندوستان کو جو کچھ دلچسپی رہی ہے وہ محض اس حیثیت کی وجہ سے تھی جو روس اور برطانیہ کے درمیان اس ملک کو حاصل تھی۔ خوش قسمتی سے ان دونوں ملکوں کی آپس کی رقابتیں اب ختم ہو رہی ہیں، اور اب روس، ایران اور برطانیہ کے درمیان ایک سرفریقی عہد نامے کی رو سے، بیس سالہ دوستی کا معاہدہ ہو چکا ہے جس میں ایران کی آزادی کی بھی ضمانت کی گئی ہے۔ امریکہ نے بھی ان معاہدوں کی توثیق کر دی ہے جس سے امید بندھتی ہے کہ شاید تعلقات کی یہ نئی تبدیلی پائیدار ثابت ہو۔ غرض کہ اب ایران کو اپنی آزادی اور اپنی انفرادیت سے ہاتھ دھونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہا۔ اس علاقہ کی سفارتی (ڈپلومیٹک) بازیاں آئندہ دو فریقی نہیں بلکہ سہ فریقی ہونگی۔ تعمیر بعد جنگ میں ہندوستان ایران کے بہت کچھ کام آسکتا ہے ادھر

سے ایران ہندوستان کو پہلے کی طرح ثقافتی (کچھل) امداد پہنچا سکتا ہے سیاسی اور معاشی حیثیت سے بھی دونوں ملک ایک دوسرے کے زیادہ قریب آسکتے ہیں اور اگر ایسا ہوا تو یہ دونوں آئندہ چل کر جنوبی نصف ایشیا کی سلامتی کے سلسلے کی اہم کڑیاں بن جائیں گے۔

## (ج) سنک یا نگ

سنک یا نگ چونکہ چین کا ایک صوبہ ہے اس لئے وسط ایشیا کے اس حصہ کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کو ہندی چینی تعلقات کا ایک جز سمجھنا چاہئے۔ موجودہ لڑائی کے شروع ہونے تک ہندوستان کے تعلقات اگر چین کے کسی حصہ کے ساتھ قریبی اور گہرے رہے ہیں تو وہ سنک یا نگ ہی تھا۔ اس علاقہ کی خوش حالی میں ہندوستانی تاجروں نے بہت کچھ حصہ لیا ہے اور جان اور مال کا بے انتہا نقصان اٹھایا ہے، خصوصاً لڑائی سے فوراً پہلے جو زمانہ گذرا اس میں ہندوستانی تاجروں کی حالت یہاں ناقابل بیان تھی۔ مقامی نظم و نسق نے اپنی ایک علیحدہ حیثیت اختیار کر لی تھی اور محض برائے نام چین کی مرکزی حکومت کی پابندی کرتی تھی امن پسند ہندوستانی تاجروں کے ساتھ اس کی پالیسی اینڈرائسٹی اور بدسلوکی کی ہو گئی تھی۔ ان مشکلوں کے باوجود محض ہندوستانیوں کی جو صد مسندی کی وجہ سے ہمارے ملک نے وسط ایشیا میں اپنا ایک خاص مقام پیدا کر لیا اور کاشغریں ہندوستانی قنصل جنرل کا دفتر کھل گیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سنک یا نگ میں ہندوستانی

تجارت اب ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی ہے اور اس کی جگہ روسی تجارت  
 لے لیگی۔ یہ یاں انگیزی حق بجانب نہیں ہے۔ اگر مناسب کارروائیاں  
 کی جائیں تو اب بھی ہندوستان کو اپنی مشنیری اور اپنے سامان کے  
 لئے چینی ترکستان میں بازار ہاتھ آسکتے ہیں۔ منافع بازیوں کا وحشیانہ  
 دور اب ختم ہو گیا ہے اور ہندوستانی تاجروں کو چاہئے کہ کارکردگی  
 اور مقابلہ کے موجودہ حالات کا ساتھ دیں۔ کاشغر کے ریشم، اون اور  
 نمدوں کی کھپت ہندوستانی بازاروں میں ہمیشہ رہے گی، دوسری  
 طرف کاشغر کو ہندوستان کی مشنیری اور استعمالی چیزوں کی ضرورت  
 ہوگی گلگت کے علاقہ اور سنک یا ٹنگ میں ہوائی جہازوں کے اترنے  
 کے لئے اچھے میدان موجود ہیں۔ (۱۹۳۱ء) کاراستہ اب بھی  
 ہندوستان اور وسط ایشیا کے درمیان نقل و حمل کی ایک اہم  
 کڑی ہے۔ کاشغر میں ہندوستانی قنصل جنرل کا دفتر ہندوستان  
 کو ایشیا کے ان دور دراز حصوں کے حالات سے باخبر رکھتا ہے  
 اگر وسط ایشیا کی یہ قہم گاہ ہندوستان کے ہاتھ سے نکل گئی  
 تو بڑے افسوس کی بات ہوگی۔ جاپانیوں نے پنچوریا میں جو دخل پالیا  
 ہے، اور بیرونی منگولیا اور سنک یا ٹنگ میں جو ساز باز کر رہے ہیں  
 اس سے ہندوستان کو پہلے ہی سے خطرہ ہے۔ اگر آگے چل کر  
 روس، چین اور ہندوستان کو اچھے ہمسائیگی کے تعلقات رکھنا ہیں  
 تو ایشیا کی ان تین بڑی طاقتوں کے لئے سنک یا ٹنگ سے بہتر اور کوئی  
 نقطہ اتصال نہیں ہے۔

# پانچواں باب

## جنوب مشرقی ایشیا

یورپ میں ہندوستان کے پڑوسی جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا مجموعہ ہیں اور جنہیں ایک طرح سے ایشیا کا بلقان کہنا چاہیے، ایک لگ ہی علاقہ ہیں، اس لئے ان سے علیحدہ بحث کرنا ضروری ہے۔ ان ملکوں کو بن میں برما، سیام، ہندوچینی، ملایا اور ڈچ ایسٹ انڈیز (مشرقی ہند کے جزیرے) شامل ہیں بعض اوقات "باہری ہندوستان" (FURTHER INDIA) کہا جاتا ہے۔ ہندوستان اور اس کے زمانہ قدیم کے نوآبادیاتی علاقوں میں جو رشتہ باقی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ڈچ لوگ مشرقی جزائر (ایسٹ انڈیز) میں اپنے مقبوضات کو "ہندوستان" اور اس کے مقابلہ میں خاص ہندوستان کو "برطانوی ہندوستان" کہتے ہیں۔ ہندوؤں میں پر دیس کے سفر کی ممانعت اور کالے پانی سے ان کی بنیادی یہ نسبتاً حال کی خصوصیتیں ہیں، ورنہ دو ہزار برس پہلے ہندو ملاح دور دراز سمندروں کو چھاننا کرتے تھے۔ اس میں خدائشک نہیں کہ انہی ملاحوں کی وجہ سے ہندو آباد کار ہندوچینی جزیرہ نما انڈونے شیا کے جزیروں اور فلپائن بلکہ شاید پیسفاک

میں اس سے بھی آگے تک پہنچے اس علاقہ میں جو ریاستیں انہوں نے قائم کیں وہ ہندو نمونے کی تھیں۔ سنسکرت ناموں کی بھرمار تھی۔ عبادت کا طریقہ بھی ہندوانہ تھا۔ یہ سلسلہ ایک ہزار سال سے اوپر تک چلتا رہا۔ جاو آ کی سری وجے سلطنت جس نے بوروبوڈر کا مشہور مندر بنایا اصل میں ایک ہندو سلطنت تھی، اسی طرح سے کمبوڈیا کی سلطنت بھی جو تاریخ کے وسطی دور میں قائم ہوئی اور جس نے انگ کو رداٹ کے مندر بنائے۔ وہ بھی ہندو سلطنت تھی۔

گیارہویں صدی میں انڈونے شیا اور جنوبی ہندوستان کے بیڑوں میں جو لڑائی ہوئی اور اس کے بعد بارہویں صدی میں عرب سمندری قزاقوں کے ہاتھوں ان دونوں کی تباہی نے اس علاقہ میں ہندوستان کے اثر کو کمزور کر دیا۔ ہندوستان کے ساتھ رسل و رسائل کا سلسلہ کٹ جانے کی وجہ سے یہاں کے باشندے رفتہ رفتہ ہندو نہ رہے یا پھر انہوں نے اپنی ہندو تہذیب میں اسلامی، چینی، اور آخر میں چل کر مغربی خصوصیات داخل کر دیں۔ اس کے باوجود اس علاقہ میں اب بھی جس حد تک ہندو پن موجود ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ سیام کے راج محل کی طرف سے بعض راج ریتوں کو پورا کرنے کے لئے آج بھی ایک برہمن طبقہ کی پرورش جاری ہے۔ سیامی حروف تہجی کی اصل ہندوستانی ہی ہے۔ لوگ اب بھی سنسکرت نام رکھتے ہیں اور ہندوستان کو اپنی تہذیب کا گوارہ سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کمبوڈیا کی پرانی سلطنت میں جو اب ہندو چین کا حصہ ہے قدیم ہندو درباری رسموں کی قسودہ شکل اب بھی باقی ہے۔ ہم ایک ایک ملک لیکر یہ دیکھیں گے

کہ آج بھی ہندوستان کو اس علاقہ کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ جنگ سے پہلے ان علاقوں میں ہندوستانی آبادی کا اندازہ حسب ذیل تھا:-

برما..... ۱۰۱۴۸۲۵

ملا یا..... ۷۵۰۰۰

سیام..... ۵۵۰۰۰

ہند چین..... ۵۰۰۰ سے ۶۰۰۰ تک

ٹریج ایسٹ انڈیز..... ۲۸۰۰۰ سے ۳۰۰۰۰ تک

تجارتی تعلقات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

| ملک    | برآمد  | درآمد   |
|--------|--|---|
|        | چیزیں  | چیزیں   |
|        | مالیت  | مالیت   |
| برما   | گوئلا اور کوک، پھلی، پھل، ترکاری، گیہوں، کا آٹا، لوہا اور فولاد، سونگ پھلی، کاتیل، کاغذ، سونگ پھلی، پھالیا، شکر، چائے، روئی، سوت، کٹھیں، سن، کی مصنوعات، تمباکو، سگرٹ، | پھل اور ترکاری، وال، چاول، دھچھکے دار، دیاسلائیاں، سیسہ، مٹی، کاتیل، چکنڈ، نوک، تیل، ٹیروں وغیرہ، ساگوان۔ |
| ملا یا | گوئلا اور کوک، رسیاں، روئی، کاسانان، چارہ، غلہ، دھاول، چٹرا اور کھالیں، سن، کاسانان، بیج۔  | بید، سوکھی پھلی، مین، معدنی تیل، کھلے پینے، کاسانان اور شہر، سگ   |
|        | ۸,۷۹,۹۰,۰۰۰  | ۲۲,۱۲,۹۳,۰۰۰  |
|        | ۲,۳۹,۹۰,۰۰۰  | ۶,۰۱,۱۳,۰۰۰   |

| درآمد       |                 | برآمد      |                   | ملک    |
|-------------|-----------------|------------|-------------------|--------|
| مالیت       | چیزیں           | مالیت      | چیزیں             |        |
|             | سگوان           |            | روٹی کا سامان،    | سیام   |
| ۹۰۳۱۵۰۰۰    |                 | ۶۹,۶۴۰,۰۰۰ | سن۔ یورے          |        |
| ۱۳۵۹۳۰۰۰    | متفرق چیزیں     | ۶۵,۲۴۰,۰۰۰ | سن کا سامان       | ہینچین |
|             | معدنی تیل، شہاب |            | کونلاور کوک، چاول | ٹچ ایٹ |
| ۱۰۵,۰۰۰,۰۰۰ | شکر،            | ۸۲,۴۳۰,۰۰۰ | سن، یورے          | انڈیز  |

## برما

برما ۱۹۳۷ء میں ہندوستان سے علیحدہ ہوا۔ اس وقت سے اب تک ہندوستان اور برما کے سامنے کئی ایسے مشکلے آچکے ہیں جن میں دوڑوں کو دل چسپی ہے اور جنہیں ہمسائیگی کے اصولوں پر حل چونا چاہئے۔ جنگ کے بعد کے زمانے میں سب سے پہلا فیصلہ طلب سوال برما میں ہندوستانیوں کے بسنے کا ہوگا۔ اگر ایک طرف ہندوستانی سربراہی داروں کے ہاتھوں برمی لوگوں کے ناجائز استعمال کو ختم کرنا ہوگا، تو دوسری طرف اس کی امید کی جائے گی کہ اپنے ملک میں بسنے والے ہندوستانیوں کے ہارے میں برمی باشندے وسعت نظر اور فراخ دلی سے کام لیں۔ ہندوستان کی عزت نفس کا تقاضا ہے کہ اس بات کا پورا پورا انتظام کر دیا جائے کہ وہ ہندوستانی جو ایک زمانہ سے برما میں بس گئے ہیں اس ملک کے مواقع سے مناسب اور منصفانہ فائدہ اٹھا سکیں۔ دونوں ملک ایک دوسرے کی خدمت کر سکتے ہیں، اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ ہندوستان پٹرول

چاول، اور لکڑی کے بارے میں برما پر منحصر ہے، تو دوسری طرف برما خود کو ترقی دینے اور مشرق کی طرف سے حملے کی صورت میں ایک مشترکہ بچاؤ کی پالیسی بنانے میں ہندوستان کی مدد حاصل کر سکتا ہے۔ انیسویں صدی میں ہندوستانی فوجوں نے برما کو فتح کیا تھا اور برما کی دو لڑائیوں کا پورا بار ہندوستان ہی کو برداشت کرنا پڑا تھا۔ موجودہ لڑائی میں برما کے ہاتھ سے نکل جانے سے ہندوستان کی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا۔ برما سے چپانی کے سلسلہ میں ہندوستان کو جان و مال کا بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ برما پر چپانیوں کا قبضہ ہو جانے سے ہندوستانی تخلیقہ کنندگان کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اسے ہندوستان ہمت زمانہ تک نہیں بھول سکتا۔ ہندوستان یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی مشرقی سرحدوں پر چپانی پھر کوئی حملہ کریں، اس لئے وہ سمندر اور خشکی دونوں راستوں سے آئندہ برما کے بچاؤ کی ذمہ داری لینے کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔ اس بارے میں دونوں ملکوں کے باہمی تعاون کی تفصیلات تو آگے چل کر طے ہوں گی، سر دست جو انتظام ممکن نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کے وسائل اکٹھا کر لئے جائیں گے، اور آئندہ چل کر مشترکہ دل چسپی کے تمام مسئلوں کے بارے میں دوستی اور ہمہ سائیگی کی اسپر میں سمجھوتا ہو جائے گا۔ ہندوستان کو برما کی آزادی میں ہمیشہ دل چسپی رہیگی اور چونکہ جنگ کے بعد دونوں ملک ڈومینین کا درجہ رکھیں گے اس لئے ان میں آپس میں گہری مفاہمت پیدا ہو جائے گی۔ ہمیں نہ بھولنا چاہئے کہ جب برما ہندوستان سے الگ کیا گیا تو خود اس ملک میں رائے عامہ کا ایک کافی حصہ اس عمل کے خلاف تھا۔ دونوں طرف سے نیک خواہی اور یکجانگت کی اس روشن علامت سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور خاص طور پر امن اور

سلاستی کے بارے میں گہرے تال میل کی بنیاد پر ان دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا چاہئے۔

### ملایا

ملایا میں پناہگ اور سنگاپور یہ دونوں مخلوط قسم کے اور جدید طرز کے ممالک ہیں جو صدیوں کے برطانوی تعلق اور تجارت کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ مسلمان سلطانون کے نو علاقے ہیں جہاں کی زندگی اور اداروں پر آج کل کی کاروباری دنیا کے حالات کا ذرا بھی اثر نہیں پڑا ہے۔ روسیوں کی حکومت کے برخلاف، پچھلے زمانہ میں برطانوی حکومت کا اصول ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جو ممالک اس کے زیر اثر ہیں اس کے باشندوں کی سادہ زندگی میں کم سے کم مداخلت کی جائے، جدید تہذیب کو آہستہ آہستہ پھیلنے دیا جائے اور عارضی ذریعوں سے تعلیم کی رفتار تیز کرنے کی بجائے اسے رفتہ رفتہ بڑھنے دیا جائے۔ ملایا میں برطانوی طاقت کی اب تک خود ملک کی طرف سے کوئی موثر مخالفت نہیں ہوئی ہے، لیکن اس جنگ سے برطانوی حکومت کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس ملک کو جلد سے جلد نئے زمانہ کے رنگ پر لانا کتنا ضروری ہے، اور ہندوستان ملایا کے اس تجربہ سے اتنا ہی خوش ہو گا جتنا کہ دولت عامہ کے اندر برطانوی آزادی پسندی (لیبریزم) کی اور دوسری علامتوں سے۔

خود ملایا کے پہلی باشندے اپنے ملک میں اقلیت میں ہیں ان کی تعداد ۲۲ لاکھ ہے۔ لیکن پچھلی مردم شماری کی رو سے چینوں کی تعداد ۳۳ لاکھ ہے۔ ہندوستانی جمعیت بھی خاصی یعنی ساڑھے سات لاکھ ہے۔ چینوں کے متعلق جو عجیب و غریب بات ملایا میں دیکھنے میں آتی ہے، وہ برطانوی سلطنت

کے کسی دوسرے حصہ میں نظر نہیں آتی۔ یعنی یہ کہ وہاں یہ لوگ چینی اور برطانوی دونوں قومیتوں کا حق رکھتے ہیں اور غالباً اسی وجہ سے ان میں سے اکثروں کی دل چسپی ملایا کے ساتھ اتنی نہیں ہے جتنی کہ چین کے ساتھ۔ ہندوستانی آبادی میں زیادہ تر تامل قلی ہیں جو برکے باغات میں کام کرتے ہیں، اور ایک مختصر سی تعداد پیشہ ور لوگوں اور قرض کاروں کا رونا کرنے والے سا جو کاروں کی بھی ہے، لیکن بد قسمتی سے اسے وہاں وہ حیثیت حاصل نہیں ہے جو چینیوں کو ہے۔ برما کی طرح ملایا کے ساتھ بھی ہندوستان کی دل چسپی زیادہ فوجی اغراض کی وجہ سے ہے ۱۹۴۲ء میں۔ سنگاپور کا ہاتھ سے نکل جانا اس کے دفاعات کی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ سلتے ہوئے اس کے بچاؤ کے لئے کافی فوجیں نہیں تھیں۔ سنگاپور کا بھری مرکز اب بھی پوری سمندروں کی اور اسی طرح خود ہندوستان کی سلامتی کی کنجی بن سکتا ہے۔ اگر اس کی اہمیت کو پوری طرح نہ سمجھا گیا تو آئندہ زمانہ میں یہ ہندوستان کے لئے اس سے بھی بڑی مصیبت کا باعث ہو گا جتنا کہ ۱۹۴۲ء میں اس کا ہاتھ سے نکل جانا۔

## سیام

سیام اگرچہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اور اس کے باشندے بھی نرم مزاج اور مرعباں مرتج ہیں لیکن اس میں اندرونی طور پر ایک ایسی مضبوطی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان حالات میں بھی جن میں دوسری ریاستیں ختم ہو جاتی ہیں سیام پتپتار ہوتا ہے۔ یہ ملک ایک قدیم شاہی سلطنت ہے لیکن اس پر سیاست دانوں کا ایک گٹ حکومت کرتا ہے۔ موجودہ بادشاہ چکری خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور پوری سیاسی آبادی

میں اسے جو وقت اور اقتدار حاصل ہے اس پر پچھلے پندرہ سال کے واقعات کا ذرا بھی اثر نہیں پڑا ہے۔ شہنشاہیت میں دستور ہندی کے اجزا کے شامل ہو جانے سے اگر مطلق العنان حکومت کا خاتمہ ہو گیا ہے، لیکن بادشاہ کے وقار میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، ۱۹۳۷ء کے انقلاب کے بعد شروع کے چند سالوں میں۔ جنہیں آزادی پسندی کی منزلیں کہنا چاہئے۔ نہ صرف سیام کی شاہی استبداد کی روایات سے پاک ہو گئی، بلکہ اسے شاہی خاندان کی اس دھڑے بندی سے بھی نجات مل گئی جو سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں کی اجارے دار بن گئی تھی۔ موجودہ بادشاہ آئنڈر ماہی ڈول ابھی نابالغ ہے، اور چونکہ مارشل پی بی سونگرا ام کی پالیسی کے ساتھ، جو ڈکٹیٹر بن بیٹھا تھا اسے کسی قسم کا بھی لگاؤ نہیں ہے اس لئے کیا عجب ہے کہ لڑائی کے بعد بادشاہ کی ذات قوم کی نئی زندگی کا مرکز بن جائے۔ باہر کی دنیا کو سیام کے اندرونی واقعات کا جو کچھ علم ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ایک چھوٹے فوجی گٹ کے علاوہ جو ابھی کچھ دن ادھر تک حکومتی نظام پر قبضہ جمائے ہوئے تھا، سیام کی آبادی لڑائی سے بے فلتن بلکہ ایک حد تک جاپانیوں کی مخالف ہے۔ اگر جمہوریتوں کے خلاف اعلان جنگ کرنے والوں کی معافی کا کبھی سوال پیدا ہو تو سیام اس معافی کا زیادہ حقدار ہے۔ یہ چھوٹا سا ملک جسے نہ برطانیہ سے فوجی سہارا و سامان مل سکتا تھا اور نہ امریکہ سے، بالکل بے بس ہو گیا تھا۔ اس نے ہار ہار جوائی جازوں اور پٹرول کے لئے التجائیں کیں جو منظور نہ ہو سکیں۔ ادھر تو اتحاد کا کسی طرح اس کی مدد کرنے کے قابل نہ تھے، ادھر سے جاپان نے اس کے اندرونی اور بین قومی معاملات میں دخل دینا شروع کر دیا اور آخر میں اس سے کہنا کہ یا تو اتحادیوں کے خلاف جنگ کا باقاعدہ اعلان کر دیا پھر اپنی ہستی سے

ہاتھ دھو بیٹھو۔

جنگ کے بعد سیام کے سامنے اور سنوں کے علاوہ بڑا مسئلہ اس کی  
چینی آبادی کا ہوگا، جس کی تعداد ۲۵ لاکھ ہے چینی آبادی کی صحیح گنتی مشکل  
ہے اس لئے کہ مشرق کے ملکوں میں سیام ہی ایسا ملک ہے جس نے  
چینیوں کو اس طرح اپنایا ہے کہ کسی شخص کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے  
کہ وہ چینی ہے یا تائی! سیام کے جیسے چھوٹے ملک کو ہمیشہ اپنے پڑوسی  
چین کے دباؤ کا ڈر اور چینی پھیلاؤ کے ریلے کا خطرہ رہے گا۔ سیام اب  
تک محض بعض سخت تدا بیر کی وجہ سے، خاص کر چین کے ساتھ سفارتی  
تعلقات قائم کرنے سے انکار کر کے چینی آبادی کے دباؤ کی روک تھام  
کر سکا ہے۔

سیام کی تہذیبی روایتیں ہندوانہ ہیں اور ہندوستانوں کی اس  
دیس میں بڑی عزت ہے۔ لیکن سیام کے ساتھ ہندوستان کی خاص لڑپی  
اپنے بچاؤ کے سلسلہ میں ہے اور اس حیثیت سے سیام کی وہی پوزیشن  
ہے جو ملایا یا ہند چین کی۔ ہندوستان سیام کو ہمیشہ ایک جہانی دہتر بناتا  
سمجھتا رہا ہے۔ سیام کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے برا گیا۔ اور برما کے  
ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے ہندوستان کی پوربی سرحد دشمن کے ہاتھ  
کے لئے کھل گئی۔ اسی لئے ہندوستان کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح  
بھی ممکن ہو سیام کو غیر ملکی فوجی اثر سے پاک رکھا جائے اور اس سے اس  
کی ترغیب دی جائے کہ اپنے بچاؤ کے انتظامات کو ہندوستان کے  
ساتھ مربوط کرے۔ اس کے بدلے میں سیام کو چاہیے کہ پورب جانے  
والی ہندوستانی پہلی لائنوں کو اپنے ملک کے اوپر سے بے روک ٹوک جانے

دے اور چونکہ برما اور ملائیا کے درمیان ریلوے سلسلہ بھی مکمل ہو گیا ہے اسلئے ریلوے ٹریفک کے لئے بھی راستہ دے۔ بین الاقوامی غلط فہمیوں کی روک تھام اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب یہ سمجھ لیا جائے کہ خود مختار ہندوستان اپنی حفاظت پر کسی کے ساتھ کرے گا اور اپنے چھوٹے ٹھہمسایوں کے ساتھ مضبوط معاشی اور تجارتی تعلقات قائم کر کے انہیں بھی اپنی وحدت قائم رکھنے میں مدد دے گا۔

## ہند چین

فرانسیسی ہند چین میں اگر تھوڑی بہت جغرافی یا انسانیاتی وحدت یا سیاسی رابطہ پایا جاتا ہے تو وہ صرف فرانسیسی حکومتی نظام کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ویسے یہ چیزیں وہاں موجود نہیں ہیں۔ ہند چین قوموں اور تہذیبوں کا ایک معجون مرکب ہے۔ آج کل یہ پانچ حصے اس کے ترکیبی اجزا ہیں:- (۱) انام کی سلطنت (۲) کمبوڈیا کی سلطنت (۳) لاوس اور (۴) ٹونکن جو دونوں حفاظتی راج میں ہیں۔ اور (۵) کوچن چین کی نوآبادی۔ مادی ترقیوں کے اعتبار سے فرانسیسیوں کا انہماق قابل قدر رہا ہے۔ انہوں نے بریلین، سٹرکین، سمندری پٹھے اور آبپاشی کی نہریں بنائیں اور اعلیٰ تعلیم پھیلانے، اور مشرقی علوم اور فن آثار قدیمہ کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ بعض حیثیتوں سے فرانسیسیوں کی حکومت نہ صرف آزادی کی مخالف بلکہ لوٹ کھسوٹ کی حکومت رہی ہے۔ انام کے قومیت پسند متوسط طبقہ کی طرف سے اس کی کافی مخالفت کی گئی ہے۔ اس کے مقابلہ میں کمبوڈیا والوں نے آسانی سے بدیسی راج کو قبول کر لیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ فرانس نے کمبوڈیا کو نام اور سیام کے نگاتار حلوں سے بچایا اور وہاں کے بودھ سادھو

کو راضی کر لیا ہے۔

انام والوں کی تہذیب چینی ہے۔ دو ہزار سال تک انام کی سلطنت، چینی سلطنت کی باجگزار رہ چکی ہے۔ اس کی زبان اگرچہ چینی نہیں ہے۔ لیکن فرانسیسی حکومت کے دور دورہ تک چینی حروف میں لکھی جاتی رہی ہے۔ اس کے راج میں جسے فرانسیسیوں نے باقی رکھا ہے جو درباری رسمیں اب تک چلی آتی ہیں وہ پیکن کے راج دربار کی ہو ہو نقل ہیں۔ اس کے برخلاف کمیوڈیا کی تہذیب ہندوستانی ہے۔ کمیوڈیا ان ہندو ریاستوں میں سے آخری ریاست ہے جو کسی زمانہ میں اس سارے علاقہ پر حکومت کرتی تھیں اور اس کی راج ریتیں جو نری ہندو ہیں پانچویں صدی عیسوی سے چلی آرہی ہیں۔

ہند چین کے ساتھ ہندوستان کی دل چسپی صرف بچاؤ کے نقطہ نظر سے ہے۔ ہند چین ہی سنگاپور کا حفاظتی گڈھ ہے۔ مکرانہ کھاڑی میں ایک ایسے سمندری اڈے بننے کی ساری قدرتی صلاحیتیں موجود ہیں جس سے جنوبی چین کے سمندروں پر قابو رکھا جاسکے، اگرچہ ابھی اسے پوری طرح ترقی نہیں دی گئی ہے۔ اس لئے ہندوستان کے بچاؤ کے لئے یہ ضروری ہے کہ یا تو مکرانہ کھاڑی پر کسی ایسی طاقت کا قبضہ ہو جو پوری طرح ہندوستان کی دولت ہو یا پھر وہ کسی ایسی ریاست کے پاس ہو جو سمندری پھیلاؤ کی ہوس سے خالی ہو۔ اس لئے ہندوستان کا اپنا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ ہند چین کی خود اختیاری پر زور دے یا اس کے مختلف اجزاء کے کسی ایسے وفاق پر زور دے جو بدینی طاقتوں کی دخل اندازی سے محفوظ ہو، اور اگر ضرورت سمجھی جائے

تو کسی بین الاقوامی ادارے کی نگرانی اور اہتمام میں ہو۔

## ڈیج مشرقی ہند

جنوب مشرقی ایشیا کے تمام ملکوں میں ہندوستان کے دلی اور  
جنوبی تعلقات ڈیج مشرقی ہند کے ساتھ سب سے زیادہ گہرے  
ہیں۔ وہاں کی تہذیب ہندو انا ہے اور ہندو ہندوستان کے لئے  
خاص کشش رکھتی ہے، دوسری طرف وہاں کی آبادی زیادہ تر مسلمان ہے  
اور مسلم ہندوستان اس کے ساتھ مذہبی لگاؤ رکھتا ہے۔ موجودہ  
لڑائی نے ثابت کر دیا ہے کہ اس علاقہ پر کسی دشمن طاقت کا قبضہ  
ہندوستان کی پختہ سرحدوں کے لئے سخت خطرناک ہے۔

ڈیج مشرقی ہند کی قدرتی دولت غرب المثل ہے۔ موجودہ لڑائی  
سے ڈیج حکومت کو یہ سبق لینا چاہئے کہ جب تک وہ یہاں کی دیسی آبادی  
کو حکومت خود اختیاری حاصل کرنے میں مدد نہ دے گی وہ اپنے ملک  
اور اس کی قدرتی دولت کی حفاظت کرنے کے قابل نہ ہو سکیں گے۔  
اس ملک میں قومی تحریک خاصی زور دار ہے اور جنگ کے بعد  
ہندوستان کی طرف سے اس کی ہمدردی اور تائید ضرور ہوگی۔  
ڈیج مشرقی جزائر ہند کے باشندوں کے ساتھ ڈیج حکومت کے  
تعلقات آئندہ جو کچھ بھی ہوں اتنی بات ضرور ہے کہ ہندوستان  
کسی مخالف یا مسلم راہی طاقت کو۔ خواہ وہ پوسٹی ہو یا کچی۔ آئندہ  
ڈیج مشرقی جزائر ہند میں قدم جانے کی اجازت نہیں دے گا۔  
اس ملک کا مستقبل ہندوستان کے لئے بھی اگلا ہی اہم ہے  
جتنا کہ آسٹریلیا کے لئے اور ان دونوں ملکوں کو چاہئے کہ

ہمیں میں مل کر اس علاقہ کے متعلق ایک مشترکہ پالیسی بنائیں۔

یہ ہیں ہندوستان کے وہ خاص خاص مفادات جو ان ملکوں سے وابستہ ہیں۔ اس پورے علاقہ کے ساتھ مجموعی طور پر ہندوستان کے جو مفادات وابستہ ہیں انہیں مختصراً گیس طرح پیش کیا جائے؟ اس مختصر سی مدت کو چھوڑ کر جب کہ انگریزوں کے دلوں میں ایک طرح کا خوف، اور وہ بھی بے جا خوف، موجود تھا کہ کہیں فرانس اپنے ہندوستانی مقبوضات کو اڑانے کے طور پر استعمال کر کے اپنی اس شکست کا بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے جو اسے ہندوستان میں ایک صدی پہلے کھانی پڑی تھی ہندوستان کے مشرقی پڑوسیوں کے مسئلہ پر، بہ نسبت اس کے مغربی ہمسایوں کے بہت کم توجہ کی گئی۔ اب تک سرکار ہند کو اپنی مشرقی سرحد کے اس پار ملکوں کے ساتھ کسی قسم کی دل چسپی نہیں تھی، جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اسے اپنے چھوٹے چھوٹے ہمسایوں سے کوئی خطرہ نہ تھا، اور ان سے ساز باز کرنے والی کوئی بڑی دولت بھی ان کی پشت پر موجود نہ تھی۔ ہندوستان اور چین کے درمیان اور سیام اور برما کے درمیان پہاڑوں کی موجودگی، سنگاپور میں جاپان کو روکنے کے لئے سمندری آڑ، اور اس طویل مدت منسوب ہندی اور چینی کی طرف سے کامل بے توجہی جو جاپان کی دست درازی سے پہلے جاری تھی۔ ان سب باتوں نے سرکار ہند کو بالکل بے فکر اور نچنت بنا دیا تھا۔ اپنے محفوظ ہونے کے بارے میں سرکار ہند کا یہ یقین کتنا گمراہ تھا، اور کتنی دیر تک باقی رہا اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۳۷ء میں جب انڈو-برما (ہندی-برمی) ریلوے بنانے کا سوال زیرِ غور آیا۔ تو اس کے خلاف فیصلہ کیا گیا۔

لیکن اب آنکھیں کھل گئی ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے وسط میں جاپان کے ہاتھوں ہندوستان کی تسخیر ہی کی وجہ سے چند نیچے بعد سیام ہاتھ سے نکل گیا اور ان دونوں کے ہاتھ سے جاتے رہتے کی وجہ سے ملایا کا سقوط ہوا، اور برما کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے ہندوستان کو ایسا شدید خطرہ درپیش ہو گیا جو ایک صدی کے اندر نہ ہوا تھا۔ جاپان کی فوج اور بڑے نے اب ٹکی مزاج سے شکی مزاج شخص کو بھی یہ جتا دیا ہے کہ ہندوستان کا مفاد کس چیز میں ہے۔

اس لڑائی کے خاتمہ پر جاپان کو ضرور شکست ہوگی اور اس کی سامراجی جدوجہد اگر باکل ناممکن نہیں تو خلافت قیاس ضرور ہو جائے گی۔ کیا اس وقت ہندوستان اپنے کو خطرے میں ڈالے بغیر پھر اپنی پرانی بے پروائی اور بے تعلقی کی پالیسی پر عمل کر سکے گا؟ اس سلسلہ میں ہمیں اس مکان کا قصہ یاد رکھنا چاہئے جس میں سے اگر ایک بھوت نکال باہر کیا جاتا تھا تو سات اس سے بھی بدتر بھوت اندر داخل ہو جاتے تھے۔ کچھ اور طاقتیں بھی اس علاقہ کے مستقبل کے ساتھ دل چسپی ظاہر کر رہی ہیں، اور اگرچہ ان کی پالیسی اب تک کسی قدر دھمکتی اور غیر یقینی ہے لیکن ان کا رخ ایسا ہے کہ اگر ان کی تائید پر قوت موجود ہو جائے تو وہ ہندوستان کے لئے کسی قدر پریشان کن بن جائیں گی۔ ہندوستان کی حفاظت کا تقاضا ہے کہ پہلے اس علاقہ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے اور اس علاقہ کی حفاظت کے لئے ہندوستان، آسٹریلیا، اور سلطنت متحدہ میں گہرے اشتراک عمل کی ضرورت ہے۔ اس اشتراک عمل کی ایک مناسب صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا میں ایک علاقہ داری تنظیم قائم کی جائے۔

چین کے اس پار امریکہ موجود ہے جو جنوب مشرقی ایشیا کی آئندہ حفاظت کے ساتھ دل چسپی کا اظہار کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ امریکہ کی اپنی پالیسی غیر یقینی ہو، تنہا پسندی کی پالیسی کی طرف حود کر کے ممکن ہے کہ امریکہ جنوب مشرقی ایشیا کی حفاظت میں عملی طور پر شرکت نہ کرے، لیکن اگر امریکہ کو دنیا کے کسی حصہ کے ساتھ دل چسپی ہو سکتی ہے تو وہ حصہ میکسیکو سمندر (دھرا کھاہل) کا ہے، اور اگر یہ دل چسپی پیدا ہوئی تو اس کی وجہ تجارت اور کاروبار اور خاص طور پر اس علاقہ میں امریکہ کی حیثیت کو محفوظ اور مضبوط بنانے کی خواہش ہوگی۔ ہندوستان کو امریکہ پر بھروسہ ہے اور اسے امریکی غلبہ کے ہوتے کا کوئی ڈر نہیں ہے، لیکن ساتھ ہی یہ کہنا کہ اگر امریکہ ان دوسری طاقتوں کی بہت افزائی کرے جو پاؤں پھیلا کر اس علاقہ میں مداخلت لے جا کر تاجا ہتی ہیں تو بھی ہندوستان کو کسی قسم کا خوف و ہراس نہ ہوگا۔ اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔

مشرق وسطیٰ کی طرح اس علاقہ کی سفارتی مصالحتیں بھی آگے چل کر سدھنی ہوں گی، یعنی امریکہ، چین اور ہندوستان (برطانوی دولت مشترکہ کے اندر بکریا) یہ تینوں خاص خاص شریک کار ہوں گے۔ لیکن ہندوستان اب زیادہ وقت صلح نہیں کر سکتا۔

اسے مشرق میں بھی اپنی حیثیت اتنی ہی بااثر بنالینی چاہئے جتنی کہ مغرب میں ایران اور افغانستان میں ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ اس پورے علاقہ میں ہندوستان کی سفارتی نمائندگی کا انتظام کیا جائے۔ اس علاقہ کے ساتھ ہندوستان کا جو اہم مفاد وابستہ ہے اس میں ہندوستان، نیز باہر کے ملکوں کو خاص دل چسپی ہے، اور کوئی

بھی ہندوستانی حکومت ہودہ اس دل چسپی کو اور بڑھانے کی کوشش ضرور کرے گی۔ ہندوستان کو ہمیشہ چکس رہنا چاہئے اور اگر دوسری طاقتیں اس کے متعلق غلط شبہات پیدا کریں تو فوراً ان کی اصلاح کرنی چاہئے۔ ہندوستان کے صنعت کار بجا طور پر یہ امید کر سکتے ہیں کہ جاپانیوں کے نیست و نابود ہو جانے کے بعد ان ملکوں میں جو تجارتی مشایخ کھل جائیں گی وہ انہی کے ہاتھ آئیں گی۔ ہندوستانی روپیہ لگانے والوں کو اپنے سرمایہ کے پر منفعت استعمال کا موقع ہاتھ آسکے گا۔ مشرقی ہوائی راستوں کے بارے میں ملک معظم کی حکومت کے جو منصوبے بھی ہوں ہندوستان کو ان کے ساتھ بہت کچھ دل چسپی ہوگی اور ان کے چلانے میں وہ بھی اپنا مناسب اور مستحق حصہ طلب کرے گا۔ ہندوستان کا بچاؤ اور جنوب مشرقی ایشیا میں اس کے تجارتی مفادات کی تحریک اور ان کی بقا صرف انہی اقدامات پر منحصر ہے۔

جنگ جہاد جہاد جہاد جہاد جہاد

# چھٹا باب

## چین، روس اور امریکہ

پچھلے باب میں جن مسئلوں پر بحث کی گئی ہے اگر ان کا مقابلہ ان زبردست مسائل سے کیا جائے کہ آنے والی دنیا پر جن طاقتوں کی حکمرانی مقدر ہو چکی ہے ان کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کیا ہونے چاہئیں تو معلوم ہو گا کہ پچھلے باب کے مسائل بالکل محدود اور مقامی نوعیت کے تھے۔ ان دیوپیکر طاقتوں کے ساتھ اپنے تعلقات کی ترتیب ہندوستان کے لئے از بس لازمی ہے ان کے ساتھ اشتراکِ عمل کے طریقہ کا تعین اتنا اہم سوال ہے کہ شاید اس سے زیادہ اہم اور نازک مسئلہ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے پورے احاطہ میں مشکل ہی سے طے گا۔ آئیے اب ان واقعات کی چھان بین کریں جن کی بنا پر ان سلطنتوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ہندوستان کے رویہ کا تعین ہو گا۔

## چین

ہندوستان اور چین کی باقوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ دونوں کثیر آبادی رکھتے ہیں۔ ان کی ملی جلی آبادی دنیا کی کل آبادی کا چھ

ہے۔ لڑائی کے بعد دونوں ملکوں کو تعمیر جدید کے بڑے پیمانے کے پروگرام بنانا ہوں گے۔ دونوں ملکوں کی تاریخ اندرونی اختلافات سے پڑھے۔ دونوں کے معاشی نظام میں زراعت غالب ہے۔ اور اب دونوں ایک مشترکہ دشمن یعنی جاپان کا سامنا کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان کا کلچر ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے پھر بھی ایک کا اثر دوسرے پر پڑا ہے۔ ہندوستان بدھ مت کی جنم بھومی ہے جو چین کے نمایاں مذہبوں میں سے ہے۔ چینی مسلمانوں نے چینی کلچر اور چینی تصوراتی نظام کو اپنے اندر جذب کر لیا ہے۔ گزشتہ صدی میں دونوں ملکوں کو مغربی خیالات کے تصادم کے ساتھ تطابن کرنا پڑا ہے، اور دونوں کی یہ تلاش رہی ہے کہ ان کی نئی نسلیں مغربی تہذیب کی تمام اچھی باتوں کو اپنے اندر سمولیں، لیکن اپنی روایتوں سے بالکل دست بردار نہ ہو جائیں۔

ہندوستان اور چین دونوں کبھی کسی بڑے جھگڑے میں نہیں آجھے ہیں۔ جب جاپان نے چین پر حملہ کیا تو ہندوستان ہی سب سے پہلا ملک تھا جس نے ایک غیر سرکاری طبی وفد بھیج کر چین کے ساتھ اپنی علی ہمدردی کا ثبوت دیا، اور وہ بھی اس وقت جب کہ مغربی طاقتیں ہندوستان کی سوراخی رکھنے کی پالیسی پر کار بند تھیں۔ موجودہ لڑائی میں چینی اور ہندوستانی فوجیں شانہ بہ شانہ لڑی ہیں۔ ہندوستان چین کو ہوائی اور خشکی کے راستہ رسد بھیجے گا مرکز بن گیا ہے۔ تبت اور برما کے اندر سے نئی شاہراہیں کھولی جا چکی ہیں اور چین کو جانے والی موجودہ ڈاک کی سٹرک جو گلگت اور سنک یا ننگ ہو کر جاتی ہے، ہندوستان کے اندر سے گزرتی ہے

چینی طلباء تعلیم اور تربیت کی غرض سے ہماری یونیورسٹیوں میں آئے ہیں،

اسی طرح سے ہندوستانی طلباء چین بھیجے جا چکے ہیں۔

مقاصد اور نصیب العین کی یہ ہم آہنگی ان دونوں ملکوں کے درمیان  
پائیدار رشتہ دوستی قائم کرنے میں بنیاد کا کام دے سکتی ہے۔ جنگ  
کی وجہ سے ہندوستان کے لئے چین سے تجارت کرنے میں اور اس ملک  
کو صنعتی بنانے میں امداد دینے کے نئے مواقع پیدا ہو گئے ہیں۔ ان دونوں  
ملکوں کے مفاد کا تقاضہ یہی ہے کہ چین اور ہندوستان آپس میں بل جمل کر  
ایشیا کی حفاظت کے لئے ایک مشترکہ منصوبہ بنائیں۔ دونوں ملکوں کی  
اس ہم آہنگی سے فوجوں میں کفایت ہوگی۔ ان دونوں ملکوں کے مدبروں  
کا یہ کام ہوگا کہ وہ ایسا انتظام کریں کہ آپس کے بعض اختلافی مسائل مثلاً  
تبت، کامنڈ، سنگ یا نگ کی تجارت اور جنوب مشرقی ایشیا میں ہندوستان  
کے ہمسایوں کی خود مختاری یہ چین اور ہندوستان کے درمیان اس تعاون  
میں حائل نہ ہوں جو اس عالم کے لئے از بس ضروری ہے۔

## روس

جنگ سے پہلے روس ہندوستان کے لئے ایک سر بہتہ راز تھا،  
اگرچہ ہندوستان کی آبادی کے بعض حصے تصوراتی حیثیت سے روسی افکار  
اور خیالات کی طرف مائل تھے، لیکن عام طور پر مغربی ملکوں کی طرح ہندوستان  
کے لئے بھی روس ایک بھیدا اور مٹھا تھا۔ جرمنی کے روس پر حملہ کرنے سے  
یہ پردہ راز اٹھ گیا۔ روسیوں نے جس پامردی سے جرمن مار دھاڑ کا  
مقابلہ کیا، پوری قوم اسٹالن کے گرد جمع ہو گئی اور روس کے سر باشندے  
نے زیادہ سے زیادہ قربانی سے دریغ نہ کر کے پہلے جرمن یلغار کو روکا

اور پھر اسے پہچانی میں تبدیل کر دیا۔ ان سب باتوں نے دنیا کی آنکھیں کھول دیں۔ اب ہماری سمجھ میں آتا جا رہا ہے کہ پچھلے ۲۵ برس میں روس نے اکثر ایسے مسئلوں کو جو آج بھی ہندوستان میں نازک ترین مسئلے بنے ہوئے ہیں کس طرح حل کیا۔ ان میں سے خاص خاص مسائل یہ ہیں:- خواندگی کی اشاعت، رہائش، غذا اور حفظان صحت کے انتظامات، صنعتی ترقی، زراعت اور صنعت کا توازن، اور مختلف علاقوں کے مقامی قومی گروہوں کا ایک مرتب شکل میں اس طرح انضمام کہ ساتھ ہی ان میں سے ہر ایک کی ثقافتی وحدت بھی قائم رہ سکے ان تمام باتوں نے سویٹ تصوراتی نظام میں ایسی جاذبیت پیدا کر دی ہے کہ اس کا اثر اس ملک کی اندرونی سیاست پر ضرور پڑ کر رہے گا۔ اب تک ہندوستان میں گروہوں کی تقسیم مذہبی اور سماجی اختلافات کی بنا پر ہوتی آئی ہے۔ لیکن اب اور خاص کہ نئی نسل میں یہ تقسیم تصوراتی بنیادوں پر ہوتی جا رہی ہے۔

ان باتوں کے باوجود، اور باوصف اس امر کے کہ روس اور ہندوستان کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں اور ہندوستان نے روس کو جنگی ذخائر بھیجنے میں نمایاں حصہ لیا ہے، روس کے حالات زندگی اور نظم حدیثت کی تفصیلوں کے بارے میں اب تک یہاں ناواقفیت یہ سطور باقی ہے۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ روس کو بھی ہندوستان کے اصلی حالات کے بارے میں کوئی واضح علم نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ تبادلہ معلومات اور بہتر مفاہمت پیدا کرنے کے سلسلہ میں ابھی دونوں ملکوں میں بہت کچھ کام ہونا باقی ہے۔

جب لڑائی ختم ہو جائے گی تو فضائی سفر کی وہ زبردست ترقیاں جو روس میں ہوئی ہیں تجارتی اور زمانہ امن کے اغراض کے لئے استعمال ہونگی طویل اور عریض روسی علاقوں میں بڑی بڑی ہوائی لائنیں کام کرنا شروع

کر دیں گی۔ اگر روس اپنی تجارتی ہوائی لائنوں کو جنوب کی طرف پھیلانے کا  
تصنیف کرے تو اس سے ہندوستان کو بھی موقع ملے گا کہ وہ اپنی تجارتی  
لائنیں روس کے تجارتی مرکزوں تک لے جائے۔ اس طرح دونوں ملکوں کے  
لئے تجارتی ہوا بازی اور باہمی تجارت کے لئے زبردست شاہراہیں کھل  
جائیں گی، کم از کم بقیہ ایشیا کی تجارت میں دونوں کو دل چسپی رہے گی۔  
شمالی ایشیا میں روس کی نگرانی میں حفاظتی اغراض کے لئے جو انتظامات  
بھی کئے جائیں گے ان کی بنا پر جنوبی ایشیا کے لئے بھی ویسے ہی انتظامات  
زیر غور یا بروئے کار آئیں گے اور ان کا خاص مرکز یہ ملک (ہندوستان)  
ہی ہوگا۔ مشرق وسطے اور افغانستان میں جو کچھ سفارتی پالیسی روس کی ہوگی  
اس کے جواب میں اور ویسی ہی مشترکہ ہندوستان کی اور انگریزی پالیسی بھی  
ان علاقوں میں بھگی اور پھر امریکہ کے مفادات بھی ان ملکوں کے ساتھ ضرور  
وابستہ ہوں گے۔ امید کی جاتی ہے کہ ان ملکوں کے درمیان جو ہم آہنگی  
اور تامل میل لڑائی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے وہ اس کے زمانہ میں بھی جاری رہے گا  
روس کے ساتھ برطانیہ کا ۲۰ سالہ معاہدہ دوستی ہندوستان پر بھی  
خاند ہوتا ہے، غرض کہ ہندوستان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اس زبردست  
ہمسایہ (روس) میں روز افزوں دل چسپی لے، ان دونوں ملکوں کی دوستی  
عرصہ دراز تک ایشیا کی حفاظت کا ایک اہم عنصر بنی رہے گی۔

## امریکہ

خود امریکی اس بات کے تسلیم کرنے میں دوسروں سے پیش پیش  
ہیں کہ ان کے ملک کی خارجہ پالیسی تضاد سے خالی نہیں ہے کچھ سالوں عالم

پر امریکہ کا اثر بہت گہرا اور زبردست ہے۔ اگرچہ امریکی روایات شہنشاہیت کے خلاف ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ امریکی علاقوں کے بڑے بڑے حصے جن طریقوں سے حاصل کئے گئے وہ پرانی سامراجی طاقتوں کے طریقوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ ابھی یہ دیکھنا ہے کہ فلپائنز کا مسئلہ بھی خوشگوار طریقہ پر طے ہوتا ہے یا نہیں، دوسری طرف امریکہ کی خارجہ پالیسی کے بعض رازے کار یہ کہہ رہے ہیں کہ جو جزیرے اس لڑائی میں امریکہ کے ہاتھ آئے ہیں انہیں چھوڑنا نہیں چاہئے بلکہ ساری دنیا میں جہوائی اور بحری اڈے حاصل کرنے چاہئیں، ایشیائی اقوام کے دلوں میں امریکہ کے حریت پسندانہ خیالات اور ان کے علم برداروں مثلاً لنکن کی بڑی وقعت ہے انہی خیالات پر امریکہ کے حیرت انگیز سیاسی ڈھچر کی بنیادیں رکھی گئی ہیں، لیکن مقام تعجب ہے کہ ان حریت پسندانہ خیالات کے باوجود امریکہ کے باہر کے ملکوں، مثلاً فلسطین میں امریکی پالیسی ایک دوسرے ہی رنگ میں نظر آتی ہے۔ یہ کہنا غالباً کچھ زیادہ ناروا نہ ہو گا کہ امریکی حریت پسندی میں امریکی اقتصادی طریقوں کا کچھ نہ کچھ شائبہ ہمیشہ رہا ہے۔ جن ملکوں میں امریکی سرمایہ دارانہ جدوجہد کا زور ہے اور اس کا جو اثر ان کی اقتصادی حالت پر پڑا ہے اسے دیکھ کر بعض اوقات ایشیاء والوں کے دلوں میں امریکیت کے پورے فلسفہ کی طرف سے ایک طرح کا خٹروہ اور دوسو پیدا ہو جاتا ہے۔ جاپان کے ساتھ امریکہ کے تعلقات کی تاریخ پر غور کیجئے تو اس میں بھی ایک طرح کا تضاد نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ جاپانیوں کو جنگی تیاریوں کے لئے ساز و سامان امریکہ ہی سے ملا اس لئے کہ امریکہ کے

بڑے بڑے بیوپاریوں کا قائدہ اسی میں تھا اور پل ہاربر کے واقعہ تک امریکہ نے جاپان کو تارکارہ لوہے کے ٹکڑے بھیجا بند نہ کیا تھا۔ امید کی جاتی ہے کہ جنگ کے بعد کی دنیا میں عالمگیر امن اور خوش حالی پیدا کرنے کا جو معمم ارادہ امریکہ کر چکا ہے۔ اس کا اتنا اثر ضرور ہوگا کہ ایشیا، والوں کو نقصان پہنچا کر اپنا قائدہ کرنے کی خواہش دب جائے گی، لیکن ایک سہمی ہوئی دنیا کو مزید اطمینان دلانے کی ضرورت ہے۔ ابھی چند دن کی بات ہے کہ ایک ممتاز ہندوستانی مدیر نے بمبئی میں ایک تقریر کی جس میں انہوں نے اٹلانٹک چارٹر کو ایک بڑے اٹلانٹک لائٹ سے تشبیہ دی جس میں پہلے درجہ، دوسرے درجہ تیسرے درجہ اور چوتھے درجہ کے مسافر ہوتے ہیں۔ مقرر کا منشا یہ تھا کہ مشرق کے لوگ جس درجہ میں رکھے جاتے ہیں وہ ان درجوں سے بہت کچھ مختلف ہے جو بڑی بڑی یورپی طاقتوں نے اپنے لئے محفوظ کر رکھے ہیں۔ ابھی حال میں وہ مراسلت منظر عام پر آئی ہے جس میں صدر امریکہ کو ان کے ذاتی نمائندہ مقیم ہندوستان نے ہندوستان کی آزادی کے بارے میں پرزور الفاظ میں متوجہ کیا تھا۔ ہندوستانی قدرتی طور پر یہ دعوے کرتے ہیں کہ ان کے ملک کی آزادی ایک ایسی چیز ہے جس کی تائید آزادی کی خاطر ہونا چاہئے لیکن یہ دیکھ کر کہ ان کی آزادی پر زور اس وجہ سے نہیں دیا جا رہا کہ وہ آزادی کے مستحق ہیں بلکہ محض اس لئے کہ اس سے امریکہ کو جاپان کے خلاف جنگ کرتے میں مدد ملے گی ان کے دلوں میں خوف اور اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہندوستانی چاہتے ہیں کہ امریکہ والوں

بڑی بڑی قسم کے امریکی مسافر جہازوں کو اٹلانٹک میں چلتے ہیں ۱۲

۱۹۶۳ء

کی طرف سے ان کے احساسات اور جذبات جس حد تک ممکن ہو گرم دلی اور خلوص پر مبنی ہوں لیکن یہ احساسات صرف اسی صورت میں بڑھ سکتے ہیں۔ جب کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ اس ہندوستانی سپاہی کو جو متحدہ اقوام کی خاطر اور جنگ کے بعد اپنے ملک کی آزادی کے لئے اپنا خون بہا رہا ہے کرایہ کا ٹھوکنا اتنا ہی ناروا اور نازیبا ہے جتنا کہ ان ”چار آزادیوں“ کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھنا جو امریکہ والوں نے دنیا کو پیش کی ہیں۔

ہندوستان ایک غریب ملک ہے، اسے اپنے معیار زندگی بڑھانے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ یہ لڑائی اسے بہت ہنگامی پڑی ہے اور اس کے باشندوں کو امریکہ کے باشندوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مصیبتیں اٹھانی پڑی ہیں اگر ان تمام قربانیوں کے باوجود دنیا کی سیاسی اور اقتصادی تنظیم جدید میں ہندوستان کو اس کا واجبی حصہ دیا جائے گا تو اس سے یہ امید کیونکر کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک اچھے ہمسایہ کا حق جوش اور سرگرمی کے ساتھ ادا کرے؟

امریکہ کے بارے میں ایک عام ہندوستانی کے خیالات اور توقعات کی جو تصویر مذکورہ بالا فقرات میں کھینچی گئی ہے اس کے ضد و خال شاید پست اور ادنیٰ درجہ کے نظر آئیں، لیکن یہ تصویر مکمل نہیں ہے، اس لئے کہ ہندوستانی یہ جانتے ہیں کہ امریکہ کی اندرونی سیاسیات اتنی ابھی ہوئی ہیں کہ جو کچھ امریکی اخبارات میں لکھا ہوتا ہے وہ پورے ملک کی رائے یا امریکہ والوں کی تہذیب اور مخیر المزاجی کی پوری طرح ترجمانی نہیں کرتا۔ اس لئے جب کسی ہندوستانی کو اخبار میں کوئی اس

قسم کا بیان نظر آتا ہے جو امریکہ کی ایک مشہور شخصیت نے دیا تھا کہ امریکہ لڑائی میں اس لئے نہیں شریک ہوا ہے کہ وہ ہر جیسی کوڈ و وہ کا ایک گلاس پلائے، تو اسے کچھ زیادہ تعجب نہیں ہوتا۔ امریکہ کے باشندے دنیا میں سب سے زیادہ فیاض، نیک دل اور همان تواری ہیں۔ وہ شان کی نہیں لیتے اور ہر سیلح ایشیائیوں کے ساتھ ان کے اخلاق اور خیر سگالی کو پورنی مالک کے مقابلہ میں بہت زیادہ بہتر پاتا ہے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ امریکہ کو درمل ہندوستان کے ساتھ کوئی دل چسپی نہیں ہے اور امریکہ کے لوگ ہندوستانی مسئلہ کی بحث یا تو انگریزوں کو پریشان کرے یا پھر کسی استعماری مہم میں کسی خاص مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں ہمدستار کو توقع ہے کہ یہ بیان صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ امریکہ ساری دنیا کو اور خصوصاً ہندوستان کو حریت پسندانہ خیالات، تعلیم، زراعت اور مادی صنعت کاری کے بارے میں بہت کچھ نئی باتیں سکھا سکتا ہے۔ سیاسی حیثیت سے بھی امریکہ کے ساتھ روابط قائم رکھنا ہندوستان کے لئے مفید ہے۔ باشندوں کے ایک بے ربط اور اسٹل بے جوڑ مجموعے کو لیکر اور اس کے مختلف اجزاء کو سمو کر ایک قوم بنا دینا۔ یہ امریکہ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو ہندوستان کے لئے ہمیشہ مشکل راہ بنا رہیگا۔ بلا امتیاز نسل، عقائد یا مذہب ہر امریکی شہری کو اس بات کی آزادی حاصل ہونا کہ وہ اپنے ملک کے صدر بننے کی آرزو کر سکے۔ اس میں بھی ہندوستانیوں کے لئے ایک سبق پوشیدہ ہے۔



# ساتواں باب

## ہندوستان، برطانوی دولت مشترکہ

### اُرد

### دنیا

ہندوستان اور انگلستان کا بڑا بڑا چمکا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ شیت ابھی کہنے یا تاریخی حالات کی منطق لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا ساتھ ان دونوں گھون کے لئے مفید ہو چکا ہے۔ ان دونوں کو اس ساتھ کی ضرورت ہے اور دنیا وی نظام کو ان دونوں کی ضرورت ہے اسی نقطہ نظر کی روشنی میں اور ایک عالم گیر پس منظر کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان اور انگلستان کی شراکت یا اتحاد یا ایک پیش آئند اور پائیدار چیز ہے +

اگر ہم انھما کے سارے رجحان اور انسان اور اس کی دنیا کے درمیان روز افزوں وحدت پر غور کریں تو یہ نتیجہ جوا پر بیان ہوا لازمی اور لا بد نظر آتا ہے۔ اگر ایک طرف ریڈیو اور ہوا بازی سے ساری دنیا کے ربط و ضبط کو آسان اور فوری بنا دیا ہے تو دوسری طرف نجات اور آزادی کی جنگوں سے گزرتا ہوا ایک عالمی ریاست کا رخشاں نصب العین ہی انسانی بنی پر نظر آ رہا ہے۔ انسانی انسان ترقی پزیر انسان ہی

امروں کا شاندار مستقبل دیکھ رہے ہیں۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے ترقی کے یہ مدارج صاف طور پر نظر آتے ہیں، ہندو مسلم ہندوستان، برطانوی دولت مشترکہ کی منزل سے ہو کر انسانی دولت مشترکہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگر عام طور پر سب اسی دنیا کی حالت پر غور کیجئے تو نظر آتا ہے کہ قبیلہ داری و حدتوں سے ترقی کر کے انسان "متحدہ اقوام" کی بلندی تک جا پہنچا ہے۔ تاریخ عالم اب تک اتنی زبردست شیرازہ بندی کی نظیریں پیش کر سکتی اور آج انسان ایک عہد آفرین تبدیلی کی چوکھٹ پر کھڑا ہے۔

لیکن میرا یاد رکھئے کہ ہر جمہوری دور میں متضاد حالات کی بھرمار ہوا کرتی ہے۔ یورپ میں وہ ملک جو پہلے و حدتوں کی حیثیت رکھتے تھے خود اختیاراً کے اصول کے آگے سر تسلیم خم کر کے اب چھوٹی چھوٹی بااقتدار ریاستوں میں منقسم ہو گئے ہیں عہد نامہ ورسائی نے امتلیتوں کے مسئلہ کو ایک اہم سیاسی مسئلہ بنا دیا تھا، لیکن قومی خود اختیاری کے اصول نے اسے حل کرنے میں کچھ زیادہ مدد نہ دی۔ خراب سیاسیات اور اس سے بھی بدتر اقتصادیات نے نئی پراپی سب ریاستوں کو پیر سے خلفشار کی حالت میں ڈال دیا ہے، اور معاہدہ ورسائی نے جس یورپ کو جنم دیا وہ مخالفت کی اس بس بھری فضا کو صاف کرنے سے قاصر رہا ہے۔ اکثر اب باب فشر پہلے ہی سے سمجھے بیٹھے تھے کہ موجودہ جنگ ضرور ہو کر رہے گی:

اُس وقت کی طرح اب بھی یورپ جس منزل پر پہنچ گیا ہے وہاں صاف صاف نظر آ رہا ہے۔ اور شاید اس سے پہلے یورپ کی تاریخ میں کبھی یہ چیز اتنی صاف نظر نہیں آئی۔ کہ اب اس کے

سلنے صرت ڈو انجام ہیں جو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔  
 یعنی یا تو وہ بے مکان ایک نئی جگہ کی منزل کی طرف بڑھے یا پھر  
 اپنے بے جا غصہ، تعصب اور جھوٹا نرجوش و خروش پر قابو پا کر اپنا  
 کی پائیدار تنظیم کی کوشش کرے۔ انسانی روح کے پاس  
 ان دونوں صورتوں کے لئے مادی قوت موجود ہے۔ سائنس  
 اپنی روز افزوں معجزہ خانیوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہاتھ  
 باندھے کھڑی ہے، اب ہم چاہیں اس سے بنانے کا کام لیں  
 یا بگاڑنے کا۔ سائنس کی مدد سے ہم اگر چاہیں تو تہذیب کی اینٹ  
 سے اینٹ بجا سکتے ہیں یا پھر دوسری طرف فراوانی اور خوشحالی  
 کا ایک ایسا ڈور شروع کر سکتے ہیں جس کی نظر انسان نے مشکل  
 ہی سے دیکھی ہوگی۔ بہر حال جنگ نے ہمارے لئے ایک بہت  
 بڑا ترکہ چھوڑا ہے۔ اور سردست یورپ کا اخلاقی اتحاد پارہ پارہ  
 ہو چکا ہے۔

یہ صورت حالات افسوس ناک ہے اور نازک بھی لیکن یہی تو تہذیب یورپ کا  
 معما ہے۔ انسان اپنے باہر قدرت پر جتنا قابو پاتا جا رہا ہے اتنی ہی اپنے اندر  
 خود اپنی فطرت پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے۔ وہ سمندر کی تکی  
 کھٹکتا اور ستاروں کی دنیا پر ہاتھ مارتا ہے لیکن انسانوں کے دنوں تک  
 رسائی اس کی دسترس سے باہر ہوتی جاتی ہے۔ اس کی ساری حد نظر پر  
 ایک افسوس ناک حد تک مادیت چھائی ہے۔ وہ سطحی چیزوں کے پیچھے بے مکان  
 بھاگتا اور اپنی عقلی کے پر تو سے انھیں بھڑک دار بناتا چلا جا رہا ہے۔ وہ محبت  
 کو ایک مبہم نصب العین کہہ کر اس کا مذاق اڑاتا ہے اور مذہب کو اس میں بنا پر  
 لے لے اکتھن ڈھیر یورپ میں بندھا ایک۔ اے۔ ایل۔ فخر۔ جلد سوم، ص ۱۲۲ تا ۱۲۳، ۱۹۳۵ء

زاد کر دیتا ہے کہ اس پر سائنس کی ہر تصدیق مثبت نہیں ہے۔ غرض کہ اسی طرح ایک المناک جوش و حسرت و ش کے ساتھ وہ سیاسیات اور اقتصادیات کی پیشین گوئی کے گھڑندے تیار کرتا ہے جو سننے ہی بگڑ جاتے ہیں۔ اس کی نظر میں ہر غیر مادی چیز فی اہم ہے، اس لئے جب کبھی وہ کوئی معاہدہ اتحاد کرتا ہے تو پہلے مفادات پیدا کر دیتا ہے کیونکہ اس چیز کے بارے میں جسے وہ لائابالی پن سے انسانی کمزوری کہتا ہے اس کا مبلغ علم بس اسی قدر ہے۔ مفادات کی حصہ داری پائدار نہیں ہوتی، البتہ نصب العین کی حصہ داری دیر پا ہوتی ہے لیکن سیاسیات میں نصب العین کی پروا کون کرتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر صلح جنگوں کے درمیان کا ایک وقفہ بن جاتی ہے۔

ایسے اصحاب فکر موجود ہیں جنہیں اس میں بہت کچھ شک ہے کہ گزشتہ جنگ عظیم جمہوریت کو بچانے کے لئے لڑی گئی تھی۔ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں صلح کے بہت تھوڑے عرصہ کے اندر ہی اندر نازیٹ، فسطائیت اور اشتراکیت سب کے سب لے پڑی جمہوریت کے خلاف عملی احتجاج کا جامہ پہن کر اس پر دھاوا بول دیا تھا، خود بین الاقوامیت بھی الجھنوں سے خالی رہ گئی۔ کئی چھوٹی چھوٹی نئی نئی ریاستوں کے قیام نے انتشار کو اور بڑھا دیا تھا۔ یہ ریاستیں قومی خود اختیاری کے اس کتابی اصول پر قائم کی گئی تھیں کہ ہر قوم کو ایک ریاست بنانے کا حق پہنچتا ہے اور ان کے قیام میں فوجی اور اقتصادی حفاظت کا ذرا بھی لحاظ نہ رکھا گیا تھا۔ تعجب کا مقام ہے کہ ہندوستان میں کچھ لوگ ایسے ہی موجود ہیں جو ورپ کے حشر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور پھر بھی اسی کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں اور تناہیں سوچے کہ یہ حشر آسانی سے ہندوستان کا ہی ہو سکتا ہے۔ غیر محدود، یا کم از کم غیر محدود اور غیر منظم قومی اقتصاد کا اصول اب ہمیشہ کے

لے بیٹ چلے گا اور تاریخ کے ممکنہ اور وسیع ترین پیمانے پر بین الاقوامی اتحاد بن جائے گا جس کے بعد کی نئی دنیا کا مستقبل پرانی دنیا سے بھی زیادہ تاریک بن جائے گا۔ مطلق خود اختیاری میں انتشار کی قوتیں مضمحل ہوتی ہیں، ۱۹۳۹ء کی جنگ سے پہلے اپنی کا نتیجہ تھی پچھلے غلطیاں ہیں کتنی بھی ہنگامی پڑی ہوں، لیکن اگر ان فحاشی تجزیوں کے بعد اب بھی ایک سچا بین الاقوامی نظام پیدا ہو جائے تو ان سب کی تکافی ہو جائے گی۔

امن کی منصوبہ بندی کی قیادت اتحادیوں ہی کے ہاتھ میں ہے، لیکن اگر ان کی نظریں صرف یورپ اور امریکہ ہی پر جمی رہیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ یہ لڑائی جیتنے کے بعد بھی صلح ہار جائیں۔ اگر وہ گورے رنگ والی دنیا سے بالاتر نہ ہوئے تو جہ نظام وہ بنائیں گے وہ عالمی نظام کے بجائے کوئی دوسری ہی چیز ہوگا۔ یورپی تہذیب کی قوتوں کے نمائندوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر انہوں نے یورپی نظام کو بقیہ دنیا کے سر منڈھا تو وہ کسی طرح بھی عالمی نظام نہ کہا جاسکے گا، اور جب تک کہ ایک حقیقی عالمی نظام قائم نہ ہو یورپ کو جنگ سے بچا نہیں نہ ہوگا۔ یورپ اور امریکہ کو یہ حق ہے شک پہنچتا ہے کہ وہ اپنی انفرادی وحدت کو قائم رکھیں، لیکن یہ چیز الگ الگ رہ کر نہیں بلکہ انسانی آزادی کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے ہونی چاہئے اور آزادی کا تقاضا ہے مساوات۔ کیا یورپی نظام کی قوت محکمہ یہ ہونی چاہئے کہ اس کے ذریعہ غیر یورپی ممالک سے ناجائز طریقہ پر فائدہ اٹھایا جاسکے گا؟ بین الاقوامی سیاسیات کے ایک مشہور رائے کار کانسوس ملاحظہ ہو:-

یورپی ممالک نے بڑی طاقت کی کہ ایک دوسرے سے لڑتے رہے اور اگر چاہتے تو ایشیا اور افریقہ میں برابر بچھتے رہتے اور

اس سے ان کی بڑھتی ہوئی خوش حالی قائم اور ان کی سماجی ترکیب  
برقرار رہتی۔"

اگر یورپی نظام کی بنیادیں اسی منطبق پر رکھی جلتے والی ہیں تو شاید جب تک ایسا  
نظام قائم رہے گا یورپ طاقتوں کا جبر بنا رہے گا۔ جب تک کوئی غالب طاقت  
موجود ہے امن نہیں ہو سکتا، اس لئے غلبہ کی نفسیات ہی امن کے خلاف ہے۔  
ایک پسلی اور ترکیبی عالمی جماعت صرف اس صورت میں وجود میں آسکتی ہے جب  
کہ ترقی یافتہ اور پست تمام باشتہندگان عالم کے مشترکہ مسئلہ کو صاف طور پر سمجھا  
جائے۔

پہلی اگست ۱۹۱۴ء کو جو اعلان کیا گیا تھا وہ صرف فرانسیسی حقوق کے بارے  
میں نہیں بلکہ حقوق انسانی کے متعلق تھا۔ اس کے بعد دو مہینوں فرانسیسی انقلاب نیز  
جرمن انقلاب ۱۹۱۸ء میں ہوا، اور درمیانی مدت میں نیولین کی لڑائیاں ہوتی  
رہیں۔ ان انقلابوں میں کچھ نئی قوموں نے جنم لیا۔ طرح طرح کی اور شدید قومی جنگیں شروع  
ہو گئیں۔ جن میں سے سب سے زیادہ مشہور لڑائیاں ہیں جو ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۸ء میں ہوئیں،  
یہاں تک کہ پندرہ سالوں کی جنگ عظیم تک پہنچ گیا۔ اگر ایک طرف قومی جذبات  
اور قومی امنگوں نے انسان کی عظمت دو بالا کر دی تو دوسری طرف ان کی وجہ  
سے جنگ کے شعلے بھی برابر بڑھتے رہے۔ امن اور آزادی کے بارے میں انسان  
کی کوششیں بے شک بڑھیں، لیکن ساتھ ہی نفرت اور جنگیں بھی زیادہ ہوتی  
گئیں۔ ایجادات کی ترقی، وسائل نقل و حمل کی نشوونما اور باہمی روابط کی  
وسعت کے ساتھ ساتھ ہر نئی جنگ سے قوموں کی زیادہ تعداد متاثر ہوئے۔

گلی اور جیسے جیسے قومیں لڑائی کے کشت و خون میں سے گزرتی گئیں ویسے ویسے ان کی قومیت پسندی بھی بڑھتی گئی۔ مختلف قومی ریاستوں کے شہریوں کے درمیان وہ دیواریں کھڑی ہو گئیں جنہیں ”دفاعات“ کہا جاتا ہے۔ یعنی قومیں اُپرے ہوائی فوج اور ناقابل تخریب سرحدی مورچے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور اندر ہی اندر بین الاقوامیت کا ڈھا سچ بھی تیار ہوتا گیا، کیونکہ آہستہ آہستہ ساری دنیا کے عام آدمیوں کے ذہن میں نوع انسان کے ساتھ مشترکہ دفاعی کے سلسلے میں منسلک ہوتے گئے۔ امید ہے کہ اب ہم آئندہ قومیت کی ہیبت ناک لڑائیاں نہ دیکھیں گے۔

یہ سوال کہ کیا آج کل کی لڑائیاں عام طور پر مخالفت فلسفوں کے تصفیے کے لئے ہوتی ہیں ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ اگر ایسا ہے تو انہیں عہد متوسط کی مذہبی جنگوں کا ایک نیا چولہا سمجھنا چاہیے۔ اگر ہم نصب العینوں کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے خون ریزی کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں بھال سکتے تو ترقی کے متعلق ہمارے بلند بانگ دعوؤں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ ان حالات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہم اب تک زور و طاقت کی سیاست کی بھول بھلیاں میں بھٹک رہے ہیں۔ محوری طاقتوں نے جب اپنا دور شروع کیا تو ان میں اور دوسروں میں تصوراتی اختلافات بہت کم تھے، لیکن وہ بہت جلد سائنسی ٹک صنعتی تہذیب کے ذہریلے اثر سے مغلوب ہو گئیں۔ سیمیت یا مخالف سمیت اس تہذیب کا جز نہیں ہیں۔ اس کے عناصر تو میں، تیل، بربر، پٹرول، زمین اور ایسی ہی دوسری چیزیں ہیں۔ طاقت کی ہوس۔ جس میں دوسروں کا کھانا نہیں ہوتا اور جو

اسی وجہ سے دست درازانہ ہوتی ہے۔ یہی دراصل لڑائی کی جڑ ہے۔

جنگ تمامتر تباہی اور بربادی کا نام نہیں ہے۔ اکثر اوقات بعض اخلاقی قرین

ایسے ہوتے ہیں جو صرف جنگ ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ موجودہ جنگ بھی، باوجود اس کے کہ اس کا دامن زور اور طاقت کی سیاست سے داغدار ہے،

ایک اہم اخلاقی پہلو رکھتی ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ محوریوں کی پس بھری تنظیم جو تباہی اور بربادی کا کام کرنے کے لئے طلب کی گئی ہے حقوق انسانی

کو پامال کر رہی ہے۔ جو لوگ ان حقوق کو عزیز رکھتے ہیں ان کا سرمن یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر تعمیر کی منزل کی طرف بڑھتے رہیں اور خون سے بنا ہوئی زمین میں ایک پاک تردنیا کا بیج بویں۔ ہٹلر اور اس کے نسل پرستی کے عقیدے کی شکست کے بعد پہلے سے زیادہ انسانی اتحاد پیدا ہونے لگا۔

جنگ کے اس پورے دھندے میں ہاری ہوئی قوموں کی طرح مغرب

کی فتح مند قوموں کو بھی اپنے گناہوں کا کفارہ دینا ہوگا، اور اس آئینے میں تپنے کے بعد ان میں پہلے سے زیادہ شرافت کے جوہر پیدا ہو جائیں گے اور وہ پہلے سے بہتر طریقہ پر انسانی خاندان کے گھر بار کو نئے سہرے سے ترتیب دے سکیں گی۔

اسلم، کارکردگی اور سفارتی مصلحتوں کے جوڑے آج کل کی دنیا نے

بنار کے ہیں وہ اپنے پرستاروں سے زبردست بھینٹ مانگ رہے ہیں۔ کوری

قوین ایک دوسرے کے ساتھ زندگی اور موت کی کش مکش میں گتھی ہوئی ہیں اور کالی اور بھورے رنگ کی قوین ان کی مدد کے لئے بلانی گئی ہیں۔ کارکردگی

اور ہنرمندی کے مختلف مجموعے مغرب کی وحدت کو پرانگندہ کرتے ہیں ایک

دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کر رہے ہیں۔ یورپ نے زور اور طاقت سے

کام لینے کے جو خطہ ناک صناٹے بنائے تھے اب وہ خود ان کی زد میں گیا

ہے۔ مغرب مشرق جو سدا بدنام اور مطعون رہا ہے انھیں بھاڑ بھاڑ کر اس  
 اس نھارے کو دیکھ رہا ہے اور دبی زبان میں پوچھتا ہے کہ جو کچھ سامنے  
 نظر آ رہا ہے کیا یہی عظمت و شرافت کی تصویر ہے۔ لیکن شاید اسی جنگ  
 کی بدولت اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ مشرق اور مغرب اپنی اپنی روایات  
 کا ایک دوسرے سے مقابلہ کریں اور اپنے اپنے افتاد اور معیار کا باہمی  
 تبادلہ کریں۔ امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ چین اور ہندوستان کی  
 سنگت ایک نیک شگون ہے۔

لڑائی کا سبب کچھ بھی ہو، لیکن وہ اس بھائی کے ثبوت کی ایک مثال پیش کرتی  
 ہے کہ اکثر اوقات مغربی سے خیر پیدا ہوتا ہے۔ یورپ کا فرض ہے کہ وہ اپنی  
 ساتس کی حدوں کو تسلیم کر لے اور نسل کے بارے میں اپنے تصور کو  
 بدل ڈالے۔ آج نسل، ملاحظات بے روک ٹوک سیاسیات میں داخل  
 کئے جا رہے ہیں۔ انگریزی لفظ ریس (نسل) لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ اور  
 اس کا تصور پرانا اور عام ہے، لیکن نام بنا دہنا رڈک آریاؤں کا نسل کا ایک  
 نیا سلک گھڑ لیا ہے جس کا انتہائی نقطہ ہمشکر کا نظریہ ہے کہ کچھ نسلیں آقا  
 ہوتی ہیں۔ اور کچھ ان کی معنوب۔ جاپان نے بھی اس بارے میں اپنا الگ  
 اچھلہ نظریہ بنا لیا ہے۔ کسی نے کسی صورت میں نسل کا مسئلہ سب ملکوں کی  
 گردن پر سوار ہے۔ اس نے نازک صورت اس وقت اختیار کی جب مغربی  
 باشندوں نے ملک گیری اور آباد کاری شروع کی چند دنوں کی بات ہے کہ

امریکہ کو بھی ایک کیٹی پیسٹ کی نسلوں کے تعلقات کی کہیں پلٹے نام سے بتائی  
 پڑی تھی۔ جہاں کہیں سفید نام قوموں کے رنگین قوموں پر غلبے کا سوال رہا ہے  
 وہاں اس نسلی مسئلہ کی بدولت مغلوب قوموں سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا  
 ہے اور مغرب کی جیبیں بھرنے کے لئے مشرقی غلام پیدا کئے گئے ہیں لیکن جہاں  
 کہیں یہ مسئلہ صرف سفید نام قوموں تک محدود رہا ہے۔ وہاں اس کی بدولت  
 طرح طرح کی اور چھوٹی بڑی جنگیں لڑی گئی ہیں۔ جب لڑائی ختم ہو جائے گی  
 تب یہ محسوس ہوگا کہ برادری اور بجائی چارہ کے تصورات کو سفید رنگت والی  
 کوٹھی میں بند کر کے رکھنا ان کے لئے غیر صحت بخش ہے اور ان میں انسانیت کی  
 کھلی ہوئی سانس لینے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ ہوا تو اس جنگ کا مقصد پورا  
 ہو جائے گا۔ اور وہ بے نتیجہ ثابت نہ ہوگی۔

سمندر پار کے ہندوستانیوں کا مسئلہ بھی اسی نسلی جھگڑے کی وجہ سے پیدا  
 ہوا ہے لیکن یہ مسئلہ صرف ہندوستان تک محدود نہیں ہے بلکہ دراصل سلطنت برطانیہ  
 کا مسئلہ ہے۔ خارجی معاملات میں ہندوستان کو برطانیہ سے جو شکایتیں ہیں وہ  
 زیادہ تر اس سلوک کی وجہ سے ہیں جو دولت مشترکہ کے ممالک اور سلطنت برطانیہ  
 کی نوآبادیوں میں ہندوستانیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس سلوک کی  
 ذمہ داری برطانیہ عظمیٰ پر عاید نہیں ہوتی لیکن یہ واقعہ ہے کہ برطانیہ نے  
 اس کی اصلاح میں اپنی پوری طاقت صرف نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ  
 نوآبادیوں اور ڈومینیونوں کے باشندوں کے اپنے دماغوں سے نسلی امتیازات

کو دور کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان اب تک اپنے غیر مالک میں بنے والے باشندوں کے حقوق کی حفاظت کا اطمینان بخش انتظام نہیں کر سکا ہے، اور برطانوی دولت مشترکہ کے مختلف ملکوں میں ہندوستانیوں کو جو حیثیت دی جاتی ہے اسے دیکھتے ہوئے کوئی ہندوستانی دولت مشترکہ کے نصب العینوں کا پُر جوش حامی نہیں بن سکتا۔

جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں پر سیاسی زندگی میں نیشنل معاملہ، وطن گزینی، املاک، تجارت، تعلیم، سب باتوں کے متعلق پابندیاں لگا دی گئیں ہیں۔ سیلون میں انھیں سیلون والوں کے مساوی شہری حقوق حاصل نہیں ہیں۔ کینیا کے صوبہ برٹش کولمبیا میں ہندوستانی میونسپل صوبہ واری اور فیڈرل انتخابات میں حق رائے دہی سے محروم ہیں۔ برٹش کینیا، ٹری ٹی داد اور جمائی کایا میں ہندوستانیوں کو اپنے مردے جلانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ بڑی سنگین بات ہے، اس لئے کہ اپنے مردوں کو جلانا ہندو کا مذہبی فریضہ ہے۔ کینیا، ٹانگانیکا اور یوگنڈا میں ہندوستانیوں سے سرکاری ملازمت اختیار کرنے کے بارے میں ناروا امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ ٹی جی میں ہندوستانیوں کو زمین خریدنے کی اجازت نہیں ہے آسٹریلیا میں اگر کوئی ہندوستانی مستقل سکونت اختیار کرنا چاہے تو اس ملک میں داخلہ کی بھی اجازت نہیں دی جاتی۔

یہ تمام پابندیاں اور نسلی امتیازات نہ صرف ذلت آمیز اور غصہ دلانے والے ہیں بلکہ ان کو دیکھ کر یہ بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر برطانوی دولت مشترکہ کا مقصد کیا ہے؟ ہندوستانیوں کو جو حیثیت دی جاتی ہے وہ اس بات کی کسوٹی ہے کہ دولت مشترکہ ایک حقیقت ہے یا صرف ایک غنیمت آمیز

کلہ اگر ہمارے ملک والوں کو دای کا ونٹ چلے کے ان الفاظ میں جو انہوں نے  
 ۱۹۲۲ء کی اپریل کانفرنس میں کہے تھے "ڈومینیونوں کی غیر ملکی ہینٹ  
 سیاسیہ سمجھا جائے تو اب یہ غور کرنے کا وقت آگیا ہے کہ ہندوستان دولت مشترکہ  
 سے الگ کیوں نہ ہو جائے میں اس اہم مسئلہ کو جذبات و عزت اور ساتھ  
 ہی اصول کا مسئلہ قرار دیتا ہوں۔ اور یہ ہے یہی ایسا ہی کیونکہ ملک منظم  
 کی چھ رعایا میں سے پانچ ہندوستان ہیں۔ سیاسیات اور اقتصادیات کا  
 سوال بعد میں آتا ہے۔ ہندوستان کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ اس کی رعایا پر وہ واجب  
 پابندیاں بھی نہ عاید کی جائیں جو مختلف ڈومینیون اور تو آبادیاں اپنے طویل المدتی  
 مفادات کی حفاظت کے لئے عاید کرتی ہیں، لیکن وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ اس کی  
 رعایا کے نقطہ نظر کو واضح طور پر سمجھ لیا جائے۔ ان ملکوں میں اپنے خاص  
 نمائندے بھیج کر ہندوستان سے ظاہر کر دیا ہے کہ اگر ہندوستانوں کی وطن گردینی  
 سے کچھ مشکلات پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ انہیں پورے تعاون کے ساتھ  
 حل کرنے کے لئے آمادہ ہے، لیکن ان باتوں میں ہندوستان کے ممبر کی بھی  
 آخر ایک حد ہے۔ وہ دوسری طرف سے حسن سلوک کے اشارات کا انتظار کرتے  
 کرتے اب تھک گیا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود کئی ایسی اہم اور ٹھوس باتیں ہیں جو ہندوستان  
 کو دولت مشترکہ کے دائرہ کے اندر رہنے کی ترحیب دیتی ہیں۔ دماغ اور کلچر ال  
 (ثقافتی تعلقات) یہ اس سلسلہ کی مضبوط ترین کڑیاں ہیں۔ لیکن یہ سوچ  
 اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب کہ ہندوستان کو دولت مشترکہ کے اندر اس

سے نو یا وہ اطمینان بخش دائرہ عمل دیا جائے، جتنا کہ اسے اب حاصل ہے۔ مثلاً  
 مشترکہ دفاعی اور خارجہ پالیسی کی تشکیل میں ہندوستان کی آواز بھی سنی جائے  
 جب تک یہ نہ ہوگا اسے دولت مشترکہ کے ساتھ وہ دل چسپی نہ ہو سکے گی جو  
 اپنایمیت کے تصور سے ہوا کرتی ہے۔ برطانیہ کی جنگی کامیابیوں میں ہندوستان  
 کو مستقل نمائندگی ملنی چاہئے، علی ہذا ڈومینین درجہ اعظم کی کالفرنس  
 میں اس کی رائے کو دوسروں کے برابر وزن ملنا چاہئے۔ برطانیہ کی سفارتی  
 قسطنطنیہ، نوآبادیاتی اور سول سروس میں ہندوستانیوں کا بھی تقرر کیا جائے  
 سرکار ہند انڈین سول سروس میں انگریزوں کو رکھتی ہے، اسی طرح ملکِ عظم  
 کی حکومت کو بھی چاہئے کہ اس کے زیر انصرام جو سروس ہیں ان میں  
 ہندوستانیوں کو رکھے۔ اگر اس طرح کے انتظامی رشتے قائم ہو گئے تو ہندوستان  
 سلطنت متحدہ اور بقیہ دولت مشترکہ کے مابین دوستانہ تعلقات مضبوط  
 رہیں گے، ایہ آئندہ کا سوال ہے مگر فوری طور پر بھی ان تعلقات کو مضبوط بنانے  
 کے لئے کلچرل (ثقافتی) روابط قائم کئے جاسکتے ہیں۔

اگر برطانیہ کے ساتھ ہندوستان کا تعلق باقی رہتا ہے تو اس کے لئے گہرے  
 کلچرل تعلقات کا انتظام اربس ضروری ہے ہمارا یہ مقابلہ جو برطانیہ اور ہندوستان  
 کے درمیان ایک محکمہ عہد نامے سے بحث کرتا ہے، نا کھل رہا ہے، اگر اس میں  
 تعلقات کو بہتر بنانے کی کچھ تجویزیں نہ پیش کی جائیں جب تک دونوں ملکوں  
 میں دل نہ ملیں تب تک کوئی سہمہ نامہ پائیدار نہیں ہو سکتا۔ جب ہندوستان  
 کو ڈومینین کا درجہ یا آزادی مل جائے گی تو برطانیہ کے ساتھ اس کا رشتہ

ان چیزوں پر منحصر ہو گا :-

(الف) جذبہ اور آپس کا خیال اور لحاظ +

(ب) دونوں طرف سے اس حقیقت کا اعتراف کہ ایک دوسرے سے

رابطہ ضبط قائم رکھنے میں دونوں کی بھلائی ہے +

ہندوستان میں اب ہر طرف سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ طاقت ہندوستانوں کے ہاتھوں میں منتقل کر دی جائے لیکن اس منقلی کے طریقہ کے بارے میں اب تک کوئی اتفاق رائے نہیں ہے۔ غیر ممالک کی طرف سے جو تازہ ترین اعتراضات کے جا رہے ہیں۔ ان کا ایک پہلو یہ ہے کہ برطانیہ نے ہندوستانی آبادی کی سماجی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے یا تو کچھ نہیں کیا اور اگر کیا ہے تو برائے نام۔ ملک منظم کی حکومت کی پالیسی اب یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کی ہر طرح سے مدد کر کے اسے جلد سے جلد برطانوی دولت مشترکہ کی اقوام کا ایک مملکت اور خوش حال رکن بنا دیا جائے۔ اور یہ ایک ایسا مقصد ہے جس سے بلا امتیاز ذات یا عقائد کسی سمجھ اور ہندوستانی کو اختلاف نہیں ہو سکتا، بد قسمتی سے بحث اور مناظرہ کی گرما گرمی میں وہ باہمی اعتماد جو ہندوستان اور برطانیہ عظمیٰ کو ایک دوسرے پر ہے، نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے، اور برطانوی باشندوں کی خیر سگالی کا رخ اس ملک کے باشندوں کی طرف پھرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے بعد اپنے ملک کے ساتھ برطانوی رویہ کے بارے میں ہندوستانی بظن ہوتے جا رہے ہیں۔

ہندوستان میں خواندہ لوگوں کا فیصد ہی تناسب بلاشبہ بیعت کم ہے لیکن دوسری طرف ریڈیو سنسنے والوں کی روز افزوں تعداد سے اس کی تلافی ہوتی جا رہی ہے۔ سینما بھی ملک پر اپنا تعلیمی اثر ڈال رہے ہیں۔ ہندوستانی

سپاہی تقریباً جنگ کے ہر منطقہ میں لڑتے رہے ہیں اور ہندو پار کی آزاد قوموں کے سپاہیوں کے دوش بدوش آزما میں اور فتح دونوں میں انکے ساتھ رہے ہیں۔ اب ان میں بھی متحدہ اقوام کے دوسرے رفیعوں کی طرح یہ یقین پیدا ہو گیا ہے کہ جس مقصد کے لئے سب ملکر لڑ رہے ہیں وہ حق اور انصاف پر مبنی ہے۔ ہر ٹیڑے شہر میں سیاسی اقتصادی سماجی اور کچھ اور موضوعوں پر تقریروں کا رواج برہنہ جا رہا ہے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے ہندوستانی رائے عام سے پہلے سے زیادہ باخبر ہوتی جا رہی ہے اور زندگی کی اعلیٰ تر نعمتوں کی خواہش روز بروز تیز ہو رہی ہے۔ مگر ہندوستانی اثر قبول کرنے کے لئے تیار ہیں اور اگر برطانیہ کی طرف سے جسے وہ مغربی تہذیب اور کچھ کا سرچشمہ سمجھتے ہیں کوئی ہمدردانہ اور ہمت افزا نظریہ اس کے کانوں میں پڑے تو وہ اسے ضرور شوق اور سمجھ داری کے ساتھ منیں گے۔

ہندوستان کے عوام بہت غریب ہیں، ان کا معیار زندگی بہت پست ہے۔ کافی خوراک نہ ملنے سے جوہرے نتائج پیدا ہوسکتے ہیں وہ ان سب میں مبتلا ہیں۔ ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں دولت کی تقسیم اتنی غیر مساوی ہو، پست اور بلند کا تفاوت آسانی سے جذبات کو برا نگینہ کر دیتا ہے، اسی لئے اس صورت حالات کی اصلاح کی خواہش روز بروز زور پکڑ رہی ہے۔ چونکہ سرکار ہند عوام میں براہ راست پبلسٹی (اشاعت معلومات) بہت کم کرتی ہے اس لئے سیاسی پروپیگنڈا بازوں کے لئے میدان صاف ہو گیا ہے۔ یہ احساس کہ ہندوستان کی یہ ساری مصیبتیں بدیسی حکومت کی لائی ہوئی ہیں روز بروز قومی ہوتا جا رہا ہے، اور ہندوستانی سیاست کاروں کا ایک طبقہ نیز ہندوستانی پریس کا ایک حصہ واقعات کو تلخ سے تلخ

العناظ میں اور بڑھا چڑھا کر بیان کر کے اس احساس کو اور مشتعل کر رہا ہے۔ موجودہ صورت حالات کی روک تھام نہ کرنا گو یا اپنے سر تباہی لانا ہے۔ ممکن ہے کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے لیکن ہندوستان جیسے بڑے ملک میں اس سے بھی ہماری مشکل آسان نہ ہوگی۔ لہذا یہ اندھنہ سروری ہے کہ ہندوستان کی ہیودی کے ضامن ہونے کی حیثیت سے برطانیہ عظمیٰ کے باشندے اس ملک کی عام ترقی میں حصہ لیں۔ جس طرح بھی ہو برطانیہ کی آواز کو ہندوستان تک پہنچانا ضروری ہے۔

ان دوسرے فائدوں کے علاوہ جو ہندی برطانوی تعلقات کی وجہ سے برطانیہ کو حاصل ہوئے ہیں یہ ملک برطانیہ کی طرفداری میں دوزبردست لڑائیاں لڑ چکا ہے۔ یہ دونوں لڑائیاں صرف برطانیہ کی زندگی اور موت کا سوال ہی نہ تھیں بلکہ ان نصب العینوں کی بقا اور فنا بھی جن پر جدید تہذیب کا دار و مدار ہے ان پر منحصر تھی۔ اختلافی پہلو جتنے اس جنگ میں نمایاں اور واضح ہیں اتنے کبھی پہلے نہ تھے۔ پچھلی لڑائی کے بعد ہندوستان کو فتح کا پھل سیاسی اصلاحات کی صورت میں ملا اور ان ہی کی وجہ سے وہ اپنی اقتصادی اور سماجی حالت کو سدھار سکا۔ ~~سلاطین ہندوستان~~ کی لڑائی میں ہندوستان فوجیں جرمن فوجوں اور لندن کے درمیان سینہ سپر ہو گئی تھیں۔ اور جرمنی اور ترکی کی مشترکہ چڑھائی کا معتاد بلکہ کے مشرق وسطیٰ کو بچا لیا تھا۔ موجودہ لڑائی میں اس وقت جب کہ برطانیہ اکیلا میدان

میں کھڑا تھا ہندوستان کی فوجیں دنگرک سے لیکر ہانگ کانگ تک جہاں کہیں بھی سلطنت کے مقامات میں کھانچے نظر آتے تھے اُن میں بھر رہی تھیں۔

ہندوستان میں بھرتی کاسب سے زیادہ زور اگست ۱۹۴۷ء میں یعنی اس زمانہ میں ہوا جبکہ کانگریس نے اپنی سولی نافرمانی کی تحریک شروع کر دی تھی۔ آج آپ کو ہندوستان کے دور دراز دیہاتوں میں میدان جنگ سے ہندوستانیوں کی لٹائی ہوئی دل ہلادینے والی سوخائیں ہاتھ پاؤں سے معذور سپاہیوں کی صورت میں ملتی ہیں ہندوستان کی بیواؤں اور ماؤں کے لیے جن کے شوہر اور بیٹے لڑائی میں کام آئے ہیں اپنی انگلستان کی انی بہنوں کی طرف سے جنھوں نے اس مقصد کے لئے قربانیاں دی ہیں شکر یہ اور قدر دانی کا ایک ایک لفظ خوشی کا موجب ہو گا ہندوستانی سیاست کار برطانیہ کی مخالفت میں جو دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں ان کی وجہ سے اکثر اوقات ہندوستان کا یہ تعاونی اور دوستانہ پہلو نظروں سے اچھل جاتا ہے۔ ہمارے سیاست کار بھی تو آخر برطانوی حکومت ہی کی پیداوار ہیں۔ برطانیہ نے ہندوستانی باشندوں میں یہ یقین اور اطمینان پیدا کر دیا ہے کہ اس مرتبہ ہندوستان کی خود اختیاری صلح کا ایک قدرتی حصہ ہوگی بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی سپاہی کراہے کا ٹوٹے اور کچھ برطانوی اہتمام بھی اسے سچ سمجھنے لگے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد زراعت پیشہ ہے اور کسی صنعتی کارخانے یا شہر میں کام کرنے والے ایک اوسط مزدور کے برخلاف انکا وجود اس ملک کے وجود کے ساتھ وابستہ ہے جنگ میں ہندوستان نے جو کچھ مدد دی ہے اس کا اندازہ صرف اس کی فوج بیڑے اور ہوائی فوج کے کارناموں ہی سے نہیں ہوتا بلکہ خانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد، وائسرائے فنڈ میں رضا کارانہ طور پر دیئے ہوئے

چندوں، اولیاء ریاست اور ہندوستانی ریاستوں کی فوجوں کے کارناموں اور ہندوستانی صنعت کاروں کے اس پرچون تعاون سے بھی ہوتا ہے جس کی بدولت زمانہ جنگ میں کارخانے پورے زور کے ساتھ چلتے رہے۔ یہ ہندوستانی آبادی کی غالب تعداد کی کہانی ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ برطانیہ اور ہندوستان کا سب جوگ مقدر ہو چکا ہے۔ یہ کہانی ایسی ہے جسے برطانیہ غلطی کے باشندوں تک پہنچانا چاہیے۔ اس کی قدر و قیمت اس وقت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جائے کہ ہندوستان کی یہ ساری جنگی مساعی رضا کارانہ اصولوں پر ہوئی ہیں۔

دوسری طرف ہر شخص جانتا ہے کہ برطانیہ میں ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر سگالی کے جذبات عام ہیں برطانیہ کے ساتھ شراکت سے ہندوستان کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ ہٹلر کی زبردست طاقت کے مقابلہ میں برطانیہ جس طرح سینہ سپر ہوا اور اس کے باشندوں نے جس طرح اپنے آپ کو منظم کر کے آزادی کی خاطر کام شروع کیا اسے ہندوستان میں ہر شخص نے تفریق کی نظر سے دیکھا ہے۔ ہندوستانیوں کو بڑی خوشی ہوگی اگر حب وطن اور اتحاد کی یہ روح ان کے دہس کی طرف منتقل کر دی جائے اس کے علاوہ برطانیہ غلطی کی ایک کچھل (ثقافتی) حسیت بھی ہے اور اس کا ہندوستان کے اپنے تہذیبی ورثہ میں سمو یا جانا اور زیادہ اہم ہے۔ ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان جو ذہنی رشتے ہیں انھیں مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔ اور بنانا چاہیے۔ افسوس کی بات ہے کہ وزارت اطلاعات نے ان تصویروں کو ہندوستان کے سامنے پیش کرنے کے بارے میں ایک کچھ کام نہیں کیا ہے۔

مادی جینتیوں سے ہشتر اک مقاصد اور مفاد کے علاوہ برطانیہ اور ہندوستان میں روحانی اور انسانی اعتبار سے کچھ قدر مشترک پائی جاتی ہے۔ جسے اگر

وضاحت کیساتھ بیان کیا جائے تو ہندوستان کے برطانوی دولت مشترکہ کے دائرہ کے اندر رہنے کی مزید تائید ہوتی ہے۔ ہندوستان میں سیاسی بیجان کا جو طویل دور گزرا اور ملک کے اندر مختلف گروہوں کے درمیان جو آویزش ہوئی اس نے یہاں کے باشندوں کو اپنی حالت پر غور و تامل کا عادی بنا دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندوستان کا بڑا شراکت دار یعنی برطانیہ اسے یہ بتائے کہ ایشیائی امن و امان اور ایشیا کی ترقی کے محور کی حیثیت سے ہندوستان کا برطانوی دولت مشترکہ کے جھرمٹ میں رہنا کتنا اہم ہے۔

برطانیہ کے حریت پسندانہ خیالات کا اب تک صرف اٹھی ڈومی' نینوں کو فائدہ پہنچا ہے جہاں یورپی نسلیں آباد ہیں۔ بڑی بات ہوگی اگر ہندوستان کی طرح ایک دوسری نسل کے باشندوں کو بھی برطانیہ کے جمہوری ورثہ میں سے کچھ حصہ ملے اور برطانوی دولت مشترکہ اقوام کے مشترک نصب العینوں میں وہ بھی شریک ہو جائے۔ مذکورہ بالا ملاحظیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسبِ فیل باتوں کی کتنی زیادہ ضرورت ہے

(الف) اہل برطانیہ کو یہ بتانا کہ ہندوستانوں نے اس جنگ میں کیا حصہ لیا ہے۔ لڑائی کے اثرات ان کے گھروں، ان کی معیشت اور زندگی کے بارے میں ان کے عام نقطہ نظر پر کیا پڑے ہیں، اگر ہندوستان اپنے گورنر اور سامان کو لڑائی کے لیے وقف نہ کر دیتا تو وہ اتنے خود اپنی ترقی کے بارے میں کتنا اہم کام لے سکتا تھا۔

(ب) اہل ہندوستان کو یہ بتانا کہ برطانیہ کے باشندوں میں ہندوستان کے ساتھ ہمدردی اور حیرتگالی کے جذبات موجود ہیں۔ اس ہمدردی کو عملی جامہ پہنا کر بیٹا کے باشندے ہندوستان کو اسکی چند اہم ترین مشکلات حل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں مثلاً جہالت اور افلاس کا خاتمہ، حفظانِ صحت و صفائی کے انتظامات رہنے کیلئے بہتر مکانات، زیلو

خواب اور کپڑا، اور زیادہ روزگار۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ لڑائی کے بعد برطانیہ کے باشندے اپنے قابل مردوں اور عورتوں کو ہندوستان بھیجیں تاکہ وہ خدمت اور باہمی امداد کے جذبہ کے تحت ہندوستانیوں کو ان مسائل کے حل کرنے میں مدد دیں؟

یہ ہیں وہ حقائق جو آج ہندوستان کے بین الاقوامی ماحول میں پائے جاتے ہیں وہ خطرات جو آج اسے درپیش ہیں اور وہ مفادات جن کی حفاظت کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ ہم نے ایک مشاہدہ کی طرح ان سب باتوں کو حتی الامکان واقعاتی حیثیت سے پیش کر دیا ہے۔ ہندوستان کا دستور اور سلطنت متحدہ کے ساتھ اس کے آئندہ انتظامات ایسے ہونے چاہئیں کہ خطرات پر قابو پایا جائے اور مفادات کی حفاظت ہو جائے۔ ان دونوں باتوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے اندرونی اور خارجہ مسائل کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستان کے خارجہ مسائل کے بارے میں اتفاق رائے تو بہت کچھ ہے لیکن بد قسمتی سے ان میں بہت کم دل چسپی لی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اندرونی مسائل میں دل چسپی حد سے زیادہ ہے اور اتفاق رائے بہت کم۔ یہ دونوں مسائل صرف اس صورت اطمینان بخش طریقہ پر حل ہو سکتے ہیں کہ ناچوا اور داخل دونوں مسائل پر برابر کی توجہ دی جائے۔

ہندوستان کے خارجہ تعلقات کے مطالعہ سے ہمیں اس کے گھر بیٹے کی ترتیب اور سلطنت متحدہ کے ساتھ اس کے مہذب نامہ کے بارے میں کیا قطعی

ہدایت مل سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب یقیناً متنازعہ فیہ ہوگا، اس لئے کہ خارجی حالات کے جائزے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ تو اپنی جگہ واضح ہے۔ لیکن جو لوگ صرف اندرونی صورت حالات سے بحث کرتے ہیں ان کی رائیوں کی شدت اور انتہا پسندی یا تو حقیقت پر پردہ ڈال دیتی ہے یا اسے توڑ مروڑ کر پیش کرتی ہے۔ بہر حال اس مقالہ کا مقصد یہی ہے کہ جو نتیجہ بھی نکلتا ہو اسے بے کم و کاست اور گھریلو معاملات سے جھجکے بغیر پیش کر دیا جائے۔ سب سے بڑا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی وحدت قائم رکھنا از بس ضروری ہے۔ حفاظتی اور فوجی اعتبارات سے یہ بات ناگزیر ہے۔ عالمی مفاد کا تقاضا ہے کہ ہندوستان ایک بڑی طاقت بن جائے۔ دوسرا بلقان بنے۔

ہندوستان کی وحدت کے راستے میں کیا چیز حائل ہے؟ اگرچہ یہ مقالہ گھریلو معاملات پر نہیں ہے لیکن چونکہ خارجی مسئلہ کو داخلی مسئلہ سے الگ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ہمیں آخر لڈ کر پر بھی ایک مختصر تبصرہ کرنا ضروری ہے۔

# آٹھواں باب

## بنیادی اندرونی مسئلہ - ہندو مسلم تعلقات

(الف) گزریے ہوئے خوش گوار زمانہ کی یاد

ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اختلافات آج پیدا ہو گئے ہیں، اُدھر ہے کہ کہیں ان دو نسلوں کے اس تاریخی بھائی چارہ کو خاک میں نہ ملا دیں جو مسلمانوں کے زمانہ سے شروع ہوا اور مسلمانوں سے چلا آ رہا ہے۔ یہ بات اکثر بھلا دی جاتی ہے کہ ہندوستان میں تفرقہ اندازی تاریخ سلطنت معنیہ کے واحد تعمیری عنصر کی مخالفت کرنے کے مراد ہے۔ بے شک آج کے ہندوستانیوں کی معلومات اپنے پرکھوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے۔ لیکن جب ان کے خیالات کو آریائی - سے راسخ تصور راسخ د کے وسیع تر پس منظر میں دیکھا جاتا ہے تو وہ بیچ دیوچ معلوم ہوتے ہیں۔ پرانے زمانے کے ہندوستانی لیڈروں اور مفکرین نے ان دو مذاہب

میں یک رنگی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہمارا مشکوہ نے انہیں جمع الجہین روڈ ساگروں کا سنگم کہا ہے۔ کبیر اور نہکت نے بھی انہیں آپس میں سمونے کی کوشش کی اور اپنی عبادتوں میں "اللہ جم اور رام" دونوں کے نام داخل کئے۔ ہندو اور مسلمان استادان فن نے بھی جذبہ ہم آہنگی سے متاثر ہو کر ایسے مشترکہ صنایع اور حرفے اختراع کئے جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے دل کو گلے تھے اور دونوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ مسرت اور حسن کاری کے ساتھ مشترکہ تصورات وجود میں لائے گئے۔ افسوس ہے کہ آج ہندوستانی اس تعمیر کی خرابی کے پڑے ہیں جو تاریخ نے اپنے ہاتھوں اس کے لئے بنائی تھی وہ اس تاریخ کو سمجھنے اور اس کی قدر کرنے کے اہل نہیں رہے اس لئے اب وہ اسے بدنام کرتے پھرتے ہیں +

مقام تعجب ہے کہ اتنی مشترکہ باتوں کے باوجود آج ہندو مسلم اتحاد کا شیرازہ بکھرتا جاتا ہے۔ ہمارا فرض تو یہ تھا کہ ان باتوں سے کام لے کر اتحاد کی اس بنیاد کو اور وسیع کریں۔ ہم نے اپنے اسلاف سے صورت مہنتی اور ادبیات مصوری اور فن تعمیر ہی کا مشترکہ تہذیبی ورثہ نہیں پایا ہے، بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے کئی جنگوں میں شاذ بشارت لڑ کر ہمارے لئے ایک مشترکہ سیاسی عقیدہ بھی بنا دیا تھا۔ علیٰ ہذا معاشرتی معاملات میں بھی ان دونوں فرقوں کے روایات اور رواج آپس میں رچے بچے تھے۔ شہنشاہِ بابر کے زمانہ میں بھی زندگی کے مشترکہ طریقے وجود میں آچکے تھے چنانچہ بابر نے انہیں "ہندوستانی طریقوں" کے نام سے یاد کیا ہے، اور ان میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی ملی جلی خصوصیات نظر آتی تھیں۔ پھر لشکر کی بولی کے اندر سے اردو

زبان نے جنم لیا۔ خود مذہب کے بارے میں جو اس زمانہ میں عزیز ترین چیز سمجھا جاتا تھا، ایک کا اثر دوسرے پر پڑا۔ ہندو عوام کے مذہب میں مسلمانوں کے اثر سے ایک نیا رخ اور ایک نیا رنگ پیدا ہوا اور خود اسلم پر بھی ہندوستانی رنگ چڑھ گیا۔

ہندوستان مسلمانوں کا بھی جنم بھوم مترا پایا۔ اس کی داغ بیل تو اسی وقت پر چوکی تھی جب قطب الدین نے دہلی کی سلطانی کو سلطنت غزنویہ سے الگ کر لیا تھا۔ اس بات کی صاف اور تاکیدی ہدایت کی گئی تھی کہ مسلمان بادشاہ اپنی رعایا کے مختلف طبقوں میں کسی قسم کا امتیاز روانہ رکھیں۔ ان پر یہ واجب قرار دیا گیا تھا کہ وہ ہر طریق پر کسی کو پجیاں چشم کرم سے دیکھیں اور ایک کے ساتھ سگی ماں گاؤں دوسرے کے ساتھ سو تیلی ماں کا سلوک نہ کریں۔ باہر کی توڑک کا ابو الفضل کی آئین اکبری سے مقابلہ کیا جائے تو ماتر بھومی کی حیثیت سے ہندوستان کے ساتھ محبت کے دل چسپ مدارج نظر آتے ہیں۔ باقی سلطنت مغلیہ (بابر) نے شکایت کی تھی کہ ”ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں بہت کم راجتیں میسر ہیں، لیکن اکبر کے تخت پر بیٹھے تک نو وار دون کا یہ نقطہ نظر بدلی چکا تھا۔ اس کا مورخ (ابو الفضل) ”ہندوستان کے سن کی تعریف میں رطب اللسان ہے اور اپنے موضوع سے گریز کی معذرت ان الفاظ میں کرتا ہے :-

”اس کی وجہ وہ محبت ہے جو مجھے اپنے وطن کے ساتھ ہے۔“

## رب ہماری موجودہ یاس انگیز حالت !

ابوالفضل کے زمانہ کی طرح اب بھی مسلمانوں نے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا اور اس کے تصور سے فیضان حاصل کرنا نہیں چھوڑا ہے۔ ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء ہی کی بات ہے، کہ ستر جناح نے یہ الفاظ لکھے تھے :-

”مختصر یہ کہ ایک ایسا دستور بنایا جائے جو یہ تسلیم کرے کہ ہندوستان میں دو قومیں بستی ہیں، اور انہیں اپنے مشترکہ ماترجمومی دوطن مادری کی حکومت میں حصہ ملنا چاہئے“

بے شک ستر جناح کا دو قوموں کا نظریہ وجود میں آچکا ہے، لیکن مشترکہ وطن مادری کا تصور ابھی تک نہیں مٹا ہے اور مشترکہ حکومت میں حصہ اب تک جیتا جاؤا عقیدہ بنا ہوا ہے۔ اس کے دو مہینہ بعد ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ نے اپنے اجلاس لاہور میں پاکستان بنانے کا تفسیہ کیا۔ یہ خیال کہ ہندوستان مسلمانوں کا وطن مادری ہے اب بھی قائم ہے اس لئے کہ پاکستان کا تصور اسی پر مبنی ہے لیکن مشترکہ وطن مادری کا تصور اب باقی نہیں رہا ہے۔ پاکستان نے مسلمانوں کے وطن مادری کو مقامی بنا کر اسے صرف ہندوستان کے ان حصوں تک محدود کر دیا ہے جہاں آج انہیں اکثریت حاصل ہے، اور اس طرح مقامی بنا دینے کے بعد اب وہ دعوے کرتے ہیں کہ اسے بقیہ ہندوستان سے، جس کے گیت اقبال نے ”ہندوستان ہمارا“ کے عنوان سے گائے ہیں، الگ کر دیا جائے۔ پاکی کی صفت کا دار و مدار اس پر ہے کہ اس علاقہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

اگر ایک طرف ام گڑھ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کانگریس کی صدارت

کہتے ہوئے ” ایک متحدہ اور ناقابل تقسیم ہندوستانی قوم“ کا ذکر کیا تو دوسری طرف لاہور میں لیگ کانفرنس کے صدارتی خطبہ میں یہ کہا گیا۔

” یہ خیال کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک مشترکہ قومیت بنا سکیں گے محض ایک خواب ہے“ ایک مشترکہ حکومت میں حصہ لینے کے خیال کو چھوڑ کر اس کی جگہ مسلمانوں کے لئے ایک مجراگانہ قومی حیثیت کا مطالبہ کیا گیا اور اب وہ ایک باقاعدہ ریاست چاہتے ہیں ان کی رائے میں وفاق اب کسی کام نہیں رہا ہے۔ لیگ کی قرارداد میں جس کی تحریک فضل الحق صاحب نے کی تھی یہ مطالبہ کیا گیا۔

” ان علاقوں کو جہاں تعداد کے اعتبار سے مسلمانوں کی اکثریت ہے جیسے ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقے آپس میں ملا کر ایسی خود مختار ریاستیں بنائی جائیں جن کے ترکیبی اجزاء خود مختار اور باقاعدہ ہوں۔ لیکن ہنرورپورٹ پر ایک نظر بازگشت ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تصفیوں

کی مخالفت کرتے ہوئے خود مسلم لیگ نے وفاق (فیڈریشن) پر اتفاق کیا تھا۔ ہنرورپورٹ نے یہ غلبہ آرا اپنا نصب العین خود مختار قومی بینوں کے دستور کو قرار دیا تھا اور قومی بین درجہ کے حصول کو ”دوسرا فوری قدم“ بتایا تھا کیٹی میں یہ خواہش غالب تھی کہ ایک مضبوط مرکز (سنٹر) وجود میں لایا جائے جو ہندوستان کی وحدت کو موثر طریقہ پر قائم رکھے، اور جو دستور خود مختار ریاستوں کی وحدت کو بھی وحدانی قسم کا تھا۔ وفاق پر کیٹی نے سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا سائمن رپورٹ پر حکومت ہند کے مراسلہ (موزہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۰ء) میں بھی کل ہند وفاق کو ایک لیبی نصب العین قرار دیا گیا تھا۔ حکومت ہند کی رائے یہ تھی کہ۔

” اس قومی وحدت کے جذبہ کو جو مرکزی برطانوی نظم و نسق کے اثر سے

بتدریج پیدا ہو گیا ہے قربان کر دینا درست نہیں ہے۔“  
 ہنرورپورٹ کے مصنفین جڈاگانہ انتخابی حلقوں کے ساتھ اس رائے کو  
 مطابق نہ کر سکے اور انھوں نے یہ سفارش کی کہ دس سال بعد اس کی احبہ اگانہ  
 انتخابات نظر ثانی کی جائے۔ غالباً ان کے ذہنوں میں وہ نظریہ تھا جو سر آسٹن  
 چمبرلین نے انجمن اقوام کی طرف سے پیش کیا تھا۔-

”جن لوگوں نے اقلیتوں کی حفاظت کا نظام بنانے کا تصفیہ کیا ہے  
 ان کا یہ نشانہ ہرگز نہ تھا کہ کسی قوم کے اندر ایسا فرقہ قائم کر دیا جا  
 جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قومی زندگی سے الگ تھلاگ رہے۔“  
 اس نظریہ پر عمل کرنے میں کمیٹی نے حد سے زیادہ منطقی پرستی کا ثبوت دیا  
 سیاسی سمجھوتے کے لئے فوری ماحول کا لحاظ کرنا اور خود کو زمانہ کی ذہنی آب و ہوا  
 سے مطابقت کرنا ضروری ہوتا ہے۔-

تسیاسیات میں عملی حل کے بارے میں جو جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں وہ  
 مشکل سے سلجھتے ہیں اس لئے کہ وہاں سوال کسی منصفانہ حل کو قبول  
 کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ اس انصاف کا درجہ کیا ہے۔  
 ہنرورپورٹ کے خلاف جو رد عمل ہوا اس نے مسلم سیاسیات کے دو  
 حصوں کو جن میں سے ایک (مسلم کانفرنس) سر محمد شفیع کی قیادت میں تھا، اور  
 دوسرا (مسلم لیگ) مسٹر ایم اے، جناح کی زیر صدارت آپس میں متفق کر دیا اور  
 یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو ہنرہائس آفاخان کی زیر صدارت یہ قرار پایا کہ صرف وفاقی  
 نظام ہی ہندوستانی حالات کو دیکھتے ہوئے سوز و تریں طرز حکومت ہے۔“  
 یہ یاد رکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جس وفاقی ایکٹ کا تصور قانون اصلاحات ۱۹۳۵ء  
 میں کیا گیا تھا اسے آگے چل کر خود مسلم لیگ نے مسترد کر دیا۔

EDWARD BENES, DEMOCRACY TODAY AND

TOMORROW P. 22

مذکورہ بالا قرارداد کی توثیق دوسرے سال یعنی ۱۹۵۷ء میں الہ آباد والے لیگ کے اجلاس میں کی گئی۔ مشہور شاعر سر محمد اقبال اس کے صدر تھے اور انہوں نے "شمالی مغربی ہندوستانی مسلم ریاست" کی تجویز پیش کی ان کی دلیل یہ تھی کہ چونکہ صوبوں میں آبادی کی موجودہ تقسیم مسلمانوں کے حق میں مضرتھی اس لیے جداگانہ انتخابی حلقوں کا طریقہ نکالا گیا تاکہ نمائندگی کا توازن مسلمانوں کے حق میں ہو جائے۔ اس مشکل کو نمائندگی کے ہول میں حل اندازی کیے بغیروں بھی حل کیا جاسکتا ہے کہ صوبوں کی ترکیب نئے سرے سے کی جائے۔ ان کی مجوزہ مسلم ریاست صرف ایک نئے صوبہ کا قیام تھا جو پہلے کی طرح ہندوستان ہی کا جز رہتا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی بتادینا چاہیے کہ ہنر و کینٹی نے بھی یہ تجویز پیش کی تھی کہ مسلم اکثریتوں کا ہندو اکثریتوں کے ساتھ توازن قائم رکھنے کیلئے صوبوں کی سرحدیں نئے سرے سے مقرر کی جائیں۔ صوبوں کی نئی ترتیب کی اس سوجھی زیادہ جامع اسکیم ڈی جے سرکنڈر جیات نے ۱۹۵۷ء میں اپنی کتاب *Outline of a Scheme of Indian Federation* رومفاق ہندوستان کی اسکیم کا خاکہ میں بیان کی تھی اور جس پر انھوں نے ۱۱ مارچ ۱۹۵۷ء کو پنجاب اسمبلی میں اپنی ایک تقریر میں بحث کی تھی ان کا تصور یہ تھا کہ پورے ہندوستان کی نئے سرے سے علاقہ داری تقسیم کی جائے۔ تقریباً مساوی رقبہ رکھنے والے سات علاقے (REGIONS) ہوں جن کی آبادیاں متوازن ہوں جس سے ہر فرقہ کو منصفانہ نمائندگی مل سکے۔ ہر علاقہ کی اپنی اسمبلی ہو اور سب وفاقی اسمبلی کے ساتھ مربوط کر دیے جائیں۔ پروفیسر کوپلینڈ نے علاقوں کی تعداد بجائے سات کے چار کر دی ہے، لیکن ان دونوں اسکیموں میں ایک مرکز کا تصور موجود ہے۔

آج ہم قسمت کے ایک عجیب چکر میں مبتلا ہیں۔ ہمارے ذہن میں یہ تکلیف دہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں: کیا ہم میں اتفاق و اتحاد کی صلاحیت کی عدم موجودگی اس وجہ سے ہے کہ ہم میں روشن خیالی نہیں ہے؟ یا اس کی وجہ وہ حالات ہیں جن کے ماتحت ہم سے سمجھوتا کرنے کو کہا جاتا ہے؟ یا ہمارے خود غرضی کو اس میں دخل ہے؟ بعض لوگ ”ہندوستان چھوڑ دو“ کے مطالبہ کو ہمارے ہر مرض کا علاج سمجھتے ہیں۔ بہت سے اسے ایک انتہائی قسم کا علاج سمجھتے ہیں جو مرعین کو لب گوہر پہنچا دے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”خدا یا مزاج“ ہماری حفاظت کرے گا۔ تعجب ہوتا ہے کہ کیا واقعی حالات اتنے بگڑ چکے ہیں؟ کیا اس قسم کی مایوسی سے کسی سمجھوتے کی اُمید ہو سکتی ہے؟ تاریخ تو یہی بتاتی ہے کہ بعض اوقات کسی صورت حالات کی انتہائی مایوسی اور شدید مشکلات ہی کے اندر سے نجات کی راہیں نکل آتی ہیں۔ ۱۶۸۹ء کے انگریزی سمجھوتے، ۱۸۵۷ء میں انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کا اتحاد اور ۱۹۴۷ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کا وجود میں آنا، یہ سب اسی کی مثالیں ہیں۔

اس امر پر تو سب متفق ہیں۔ کہ طاقت انگریزوں کے ہاتھوں سے نکلے، ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں منتقل ہونی چاہیے۔ لیکن اب تک اس بار میں کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکا ہے کہ طاقت کی یہ منتقلی کیونکر اور کس کی طرف ہو۔ اگر ایک مرتبہ اس ”کیونکر“ کے بارے میں سمجھوتا ہو گیا تو برطانیہ کی طرف سے جو چاہتا دے ہندوستان میں ہے وہ ایسے غائب ہو جائے گی جیسے سورج نکلنے ہی کبھیٹ جاتی ہے۔ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ ہمیں اپنا دستور مرتب کرنے اور

اپنی تاریخ خود تعبیر کرنے کی آزادی دیکھئے۔ یہ آزادی کرسچنوں کی تبادیلوں میں موجود ہے بشرطے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔ ہم ہی آئندہ نسلوں کی بے زبان توقعات کے امین ہیں۔ بعد جنگ کی عالمی برادری کی آنکھیں ہم پر لگی ہوئی ہیں۔ کیا یہ کام ہندوستان کے بڑے بڑے فرقوں اور برطانیہ عظمیٰ کی قوت سے باہر ہے؟

## (ج) حکومت خود اختیاری کی جدوجہد میں "خود" کا مرتبہ

یہ واقعہ ہے کہ قوت اور اختیار کا جہلہ ریزہ انگریزوں نے ہندوستان کو دیا، اسے دیکھتے ہی ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا۔ سوال یہ تھا کہ حکومت خود اختیار کی صورت میں خود کا اشارہ کس کی طرف اور کس حد تک تھا؟ غرض کہ فرقہ دارانہ منافشات اصل میں دستوری اصلاحات ہی صمیمہ تھے۔ آئیے ان کی تاریخ پر غور کریں اور دیکھیں ایک کو دوسرے کے ساتھ کیا نسبت رہی ہے؟

۱۸۳۳ء کے چارٹر ایکٹ میں ایک ایسے مستقبل کا تصور بانداھا گیا تھا جب کہ ہندوستان نامزدہ حکومت کے قابل بن جائے گا۔ لیکن اُس وقت سوائے اس کے کبھی اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کے دروازہ ہندوستانیوں کے لئے کھول دیئے جائیں اور کچھ ہندوستانیوں کو نہ ملا۔ غور کے بعد ۱۸۵۸ء کے قانون کی رو سے ہندوستان کی حکومت ایک تجارتی کمپنی کے ہاتھوں سے نکل کر برطانوی پارلیمنٹ کے ہاتھوں میں پودیں گئی۔ اس کے تھوڑے عرصے کے بعد ۱۸۶۱ء کے قانون کی رو سے خواہ چھوٹے پیمانے پر ہی لیکن دستوریہ میں یہ اصول تسلیم کر لیا گیا کہ حکومت ہند میں ہندوستانیوں کو بھی شریک

کیا جائے۔ ۱۸۸۵ء میں وائسرائے وقت لارڈ ڈفرن کی سرپرستی اور نیک تناؤں کے ساتھ انڈین نیشنل کانگریس وجود میں آئی۔ اس کے پہلے اجلاس میں ہندوستان کی آبادی میں قومی احساس کے منظر پر بڑی فصیح و بلیغ تقریریں ہوئیں۔ ۱۸۹۲ء کے کونسل ایجٹ کی روسے، اگرچہ برائے نام سہی، پھر بھی کونسل کی رکنیت میں اضافہ اور اس کے مباحث کے اختیارات میں توسیع کی گئی۔ تقسیم بنگال کے بعد سے حکومت اور کانگریس کی راہیں الگ الگ ہو گئیں، خود کانگریس میں بھی سورت کے مناقشہ (THE SURAT SPLIT) کی وجہ سے پھوٹ پڑ گئی اور انتہا پسندوں اور اعتدال پسندوں کی ٹکڑیاں الگ الگ ہو گئیں۔

قانون ۱۹۰۹ء جس کی روسے، منٹو۔ مارلے اصلاحات نافذ ہوئے ہندوستان کی دستوری تاریخ میں ایک نئے اور نازک دور کا نقطہ آغاز ہے جداگانہ انتخابی حلقوں کے ذریعہ فرقہ دارانہ نمائندگی کا جو طریقہ اس قانون سے نافذ ہوا وہ جمہوریت کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھا۔ مسلمانوں کا ایک وفد وائسرائے وقت لارڈ منٹو سے ملا۔ وفد نے یہ مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کی تاریخی اہمیت اور سلطنت برطانیہ کی جو خدمات انھوں نے کی ہیں ان کی بنا پر مسلمانوں کو ان کے تناسب سے زیادہ نمائندگی ملنی چاہیے۔ اس حد تک تو یہ مطالبہ معقول اور منصفانہ تھا، لیکن جداگانہ نمائندگی کے طریقے نے دونوں فرقوں کے درمیان روزانہ عداوتیں پیدا کی جو بڑھتی چلی گئی۔ اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ یہ طریقہ بھی ناکافی ثابت ہو رہا ہے۔ ایک ایسا صحیح اور منصفانہ مقصد جس طرح غلط طریقے اختیار کرنے کی وجہ سے برباد ہوا ہے اس کی مثال شاہی تاریخ میں ملتی ہو۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں جب ہندوستان کو مزید اصلاحات دینے  
جانے کے چرچے ہو رہے تھے، ہندوستانی لیڈروں نے اپنے گھر کی حالت درست  
کرنے کی جگہ دل سے کوشش کی۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کانفرنس کے اجلاس  
لکھنؤ کی صدارت کرتے ہوئے مسز مینا نے اپنے تاثرات *ان العناظیر میں بیان کیے۔*  
مغربی تعلیم کے اثر سے نئے ہندوستان میں تیزی سے خیالات  
مبصر اور نقطہ نظر کی وحدت اور ہم آہنگی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔

اسی زمانہ میں لکھنؤ میں کانگریس کا اجلاس بھی ہو رہا تھا، اور کانگریس اور لیگ  
کے درمیان وہ مشہور معاہدہ ہوا جس کو اب معاہدہ لکھنؤ (*Lucknow Pact*)  
کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ کے حالات میں "جداگانہ انتخابی حلقوں کو ختم کر دینا تو ممکن نہ  
تھا، لیکن پھر بھی دونوں فریقوں نے اعلیٰ درجہ کی سوچ بوجھ اور باہمی رعاداری  
کے جذبہ کا ثبوت دیا۔ کانگریس نے بھی حسب موقع فرصت شناسی سے کام لے کر  
مسلمانوں کو نسبتاً بڑھ چڑھ کر مراعات دیں۔ مارلے۔ منٹو ایکم کی رو سے مسلمانوں  
کی نمائندگی بنگال میں ۴۔۱۰ فیصدی اور پنجاب میں ۲۵ فیصدی رکھی گئی تھی لکھنؤ  
معاہدہ میں یہ تناسب بڑھا کر بنگال میں ۴۰ فیصدی اور پنجاب میں ۵۰ فیصدی  
کر دیا گیا۔ اپنی اقلیت والے صوبوں میں بھی مسلمان اسی طرح فائدے میں رہے  
مثلاً یوپی میں جہاں ان کی آبادی ۱۲ فیصدی ہے انہیں ۳۰ فیصدی نمائندگی  
دینا منظور کیا گیا۔ مرکز میں ایوان کی منتخب شدہ نشستوں میں سے ایک تہائی  
نشستیں مسلمانوں کو دیئے جانے کا فیصلہ ہوا، اور کانگریس کے دستور میں  
یہ شرط لکھی گئی کہ کوئی مسودہ قانون جس سے کوئی فرقہ متاثر ہوتا ہو اس وقت تک  
زیر غور نہ آئے گا جب تک کہ متعلقہ فرقہ کے ۳ منتخب شدہ اراکین اس پر  
رضامندانہ ہوں۔

اصلاً سال ۱۹۱۹ء کے مصنفین نے لکھنؤ کے سمجھوتے کو قومی احساس کی روزافزوں  
 قوت کی شہادت قرار دیا اور اسے خوش آمدید کہا۔ اور اگرچہ انھوں نے  
 ”جداگانہ انتخابی حلقوں“ کی برقراری کو برا بتایا۔ لیکن مفادات کی یہ تعسریق  
 قانون اصلاحات میں قائم رکھی اگرچہ اس کی دفعات لکھنؤ معاہدہ کی شرائط  
 سے مختلف تھیں۔

اس درمیان میں کانگریس پر انقلابی نقطہ نظر غالب آ گیا اور رولٹ ایکٹ  
 (ROWLATT ACT) سے اسے اور شرمیلی۔ مسٹر گاندھی نے کانگریس کی  
 لیڈر سی اپنے ہاتھ میں لے لی اور عدم تعاون کی پالیسی شروع ہو گئی۔ تھوڑے عرصہ  
 کے لئے مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں مشترکہ عدم تعاون کی صورت میں ہندو مسلم  
 اتفاق رونما ہوا۔ لیکن جب مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کو توڑ ڈالا تو یہ اتفاق  
 بھی بے نتیجہ ثابت ہوا اور اب شدید فرقہ وارانہ فسادات کی گرم بازاری ہوئی۔  
 جب کبھی عدم تعاون کی تحریک شروع ہوتی، ساتھ ہی فرقہ وارانہ فسادات بھی  
 پیدا ہو جاتے۔ ۲۹ اگست ۱۹۲۶ء کو ہندوستانی مجلس مقننہ سے خطاب کرتے  
 ہوئے لارڈ ارون (IRWIN) نے اتفاق اور اتحاد کی اپیل کی۔

کانگریسوں کے ایک گروہ نے ”سوراج پارٹی“ بنالی تھی جسے مجلس مقننہ کے  
 اندر ریان کے توسط سے دستور ہند پر کامیابی کے ساتھ حملے کرتی رہتی تھی یہی  
 لڑائی بنگال کی مقننہ میں مسٹری۔ آر۔ داس بڑی دھوم دھام سے لڑ رہے تھے۔  
 جب نومبر ۱۹۲۶ء میں لارڈ برکن ہیڈ (BIRKIN HEAD) نے سائمن  
 کمیشن مقرر کیا تو اس کا اعلان کرتے ہوئے لارڈ ارون نے کہا ”حال میں قانون  
 کے قبل از وقت نفاذ کے بارے میں بہت خاصا زور ڈالا گیا ہے“

اس عرصہ میں کچھ تو اس چیلنج کے جواب میں جو لارڈ برکن ہیڈ نے

ہندوستانی تعمیری سیاسیات کے مفکرین کو دیا تھا، اور کچھ ملک کو اصلاحات کی آنے والی تسط کے واسطے تیار کرنے کے لئے قوم پرست، نیشنلسٹ، لیڈروں سے ہندوستان کے لئے ایک دستور کا مسودہ بنانے کا کام شروع کر دیا۔ اور ۱۹۲۸ء میں پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی اس کام کے لئے بنا دی گئی ان لوگوں نے ہندوستان کو ڈومی نین درجہ دیئے جانے کی تائید میں مسودہ تیار کیا۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو تقریر کرتے ہوئے لارڈ اردن نے حکومت برطانیہ کے ایماء سے یہ اعلان کیا کہ ڈومی نین درجہ ماونٹ فورڈ اصلاحات میں مضمر ہے۔

والس رائے کا یہ اعلان اس وجہ سے اور بھی ضروری تھا کہ ڈومی نین درجہ کے بارے میں سامن کمیٹیشن کے سکوت نے غلط فہمیاں پیدا کر دی تھیں۔

اس کے بعد دوسری بساط لندن میں بچائی گئی۔ وہاں ہندو، مسلمان، والیان ریاست اور برطانوی نمائندے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں جمع ہوئے تاکہ مشکلات پر تبادلہ خیال کریں اور ایک ایسا قابل عمل دستور مرتب کریں جس سے ہندوستان کی سیاسی اُمٹیں پوری ہوں اور برطانیہ کے مفادات اور ذمہ داریوں کے ساتھ ان کا تطابق ہو جائے۔ اس کانفرنس نے جس کا نقطہ نظر اعلیٰ محنت زبردست اور لگن سچی اور مسلم تہی حیرت انگیز جوش اور اہٹاک کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود راؤنڈ ٹیبل کانفرنس تاریخ کا کوئی نیا باب شروع نہ کر سکی۔ البتہ کچھ نہ کچھ کامیابی اسے ضرور ہوئی۔ وفاق اس شرط کے ساتھ کہ اس کا عملی نفاذ اسی صورت میں ہوگا جب کہ ریاستوں کی ایک مقررہ تعداد بھی اس میں شامل ہو جائے، ہندوستان کے سطح نظر کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ صوبوں کو فوراً حکومت اختیار دی دے دی گئی، اور دو عملی

(DIARCHY) حکومت ختم کر دی گئی +

یہ سب کچھ ہوا، لیکن ہندوستانی مسئلہ کی جان منسرفہ دارانہ سوال تھا۔ اس سلسلہ میں کانفرنس کا کام مایوس کن بلکہ دل شکن ثابت ہوا۔ مسئلہ کے حل کے تمام ممکنہ ذرائع پر غور کرنے کے لئے ایک امتلیتیوں کی کمیٹی مقرر کی گئی۔ مسلمان پنجاب اور بنگال کی مقننہ میں ایک ایک نشست زیادہ مانگتے تھے اور اس کے معاوضہ میں مشترکہ انتخاب قبول کرنے کے لئے تیار تھے، لیکن دوسری رائڈ ٹیبل کے ہندو اور سکھ نمائندوں نے ان کی پیش کش مسترد کر دی۔ یہ ایک ایسی حماقت تھی جس کی تلافی مشکل سے ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمانوں کی پیش کش منظور کر لی جاتی تو آج ہندوستان کی تاریخ ہی دوسری ہوتی۔ مسٹر گاندھی کا بھروسہ کی طرف سے پورے اختیارات لئے ہوئے اس کانفرنس میں موجود تھے لیکن آخر میں انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ میں فرقہ دارانہ مسئلہ کا متفقہ حل ڈھونڈنے میں بری طرح ناکام ہوا ہوں۔ تاہم انھوں نے اس پر زور دیا کہ فرقہ دارانہ سمجھوتے کے انتظار میں دستور سازی کا کام بند نہ کیا جائے اور جب دستور بن جائے تو فرقہ دارانہ سوال ایک عدالتی ٹری بیونل (ثالثی) کے سامنے رکھ دیا جائے۔ مسلمان، پست اقوام اور دوسرے عناصر کانگریس کے خلاف متحد ہو گئے اور آپس میں امتلیتیوں کا معاہدہ کر لیا اور "جداگاز حلقہ ہائے انتخاب" اور "وزن نمائندگی" کے لئے لڑنے کی ضمان لی۔ آخر میں حکومت نے امتلیتیوں کی نمائندگی کی ایک عارضی اسکیم تیار کی اور اگست ۱۹۳۲ء میں رائڈ ٹیبل کانفرنس میں وزیر اعظم اٹھستان نے کمیونل اوارڈ کے نام سے اس کا اعلان کیا۔

جہاں تک پست اقوام کا تعلق ہے "معاہدہ پونڈر" (POONAPACE

۱۱ WEIGHTAGE یعنی تناسب تعداد سے زیادہ نمائندگی

۱۲ COMMUNAL AWARDS فرقہ دارانہ جھوٹے

۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء کی برصغیر کیونل اور ڈسٹرکٹ میں ترمیم کی گئی۔ اور یہ تقریباً ہی پیش کی گئی کہ کیونل اور ڈسٹرکٹ کی بجائے ایک فرقہ دارانہ سمجھو تاکر لیا جائے۔ چنانچہ پنڈت مالویہ کی صدارت میں ایک اتحاد کانفرنس منعقد کر کے اس کی کوشش کی گئی، لیکن یہ کانفرنس بھی ناکام رہی اور اس کی ناکامی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نئی پارٹی، نیشنلسٹ پارٹی کے نام سے قائم ہو گئی جس نے کانگریس کے نقطہ نظر کی مخالفت میں جو کیونل اور ڈسٹرکٹ کو "تعمانی تھی اور نہ روک کر تھی" اس کی مخالفت کو اپنا مقصد قرار دیا۔ ہندو مہاسبھا نے بھی اسی اور ڈسٹرکٹ کی مخالفت میں اپنا پلیٹ فارم قائم کیا لیکن اس کا سارا نقطہ نظر محض یہ تھا کہ ہندوؤں کو کیا ملا اور کیا نہیں ملا۔

کانگریس ۱۹۳۵ء کی اصلاحات سے ذرا بھی خوش نہ تھی۔ اگر ایک طرف لیگ صوبہ داری خود اختیاری کو آزما دیکھنا چاہتی تھی تو دوسری طرف کانگریس نے صرف دستور کو "لمیا میٹ" کرنے کے لئے انتخابات لڑنے کا تصفیہ کیا۔ انتخاب میں کانگریس کو مدراس، ادریس، بیار، پونہ، صوبہ ہند، سی۔ پی، اور بمبئی میں اکثریت حاصل ہوئی۔ حسب دستور کانگریس کو وزارتیں بنانے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ پہلے پڑھ کر لیا جائے کہ عملی طور پر گورنریا گورنمنٹ "تخلفات" کو استعمال نہ کریں گے۔ مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ اس مطالبہ کا منشا یہ ہے کہ ان کی ضرورت کے موقع پر بھی "تخلفات" استعمال نہ ہوں۔ گورنروں نے پہلے تو افسلیتوں کی وزارتیں بنائیں، پھر کانگریس کو یقین دلایا کہ چھوٹے موٹے اور روزمرہ کے معاملات میں "تخلفات" استعمال

نہوں نے اور آئندہ میں ان عارضی وزارتوں کی جگہ کاغذی وزارتیں بنائیں  
اب کاغذیوں نے اپنی رابطہ عوام ( MASS CONTACT ) والی  
تحریک شروع کر دی جس کے بارے میں یہ سمجھا گیا کہ کانگریس دیہاتوں کے  
مسلمانوں پر کانگریسی رنگ چڑھانا چاہتی ہے چنانچہ مسلمانوں نے اس کی مخالفت  
کی اور پے در پے کئی ضمنی انتخابات جیتے۔ کانگریس نے محسوس وزارتیں بنانے  
سے انکار کر دیا اور خالص کانگریسی وزارتیں قائم رکھیں۔ اس کا مطلب یہ  
سمجھا گیا کہ کانگریس اجتماعی طاقت اور انتظامی مشینری کی اجارہ دار  
بننا چاہتی ہے۔

یہ تھے وہ نفسیاتی اثرات جو کانگریس کی بعض سرگرمیوں کی وجہ سے  
پیدا ہوئے۔ اصولی طور پر اور جماعتی طریقہ حکومت دہ پارٹی سسٹم کے نقطہ  
نظر سے دیکھا جائے تو کانگریسیوں پر کوئی الزام عاید نہیں ہوتا لیکن اس  
میں شک نہیں کہ اخلاقی اور معاشی نقطہ نظر سے انہوں نے بہت بڑی  
فطلی کی۔ انہوں نے جو رویہ اختیار کیا وہ ہر پارٹی حکومت میں لازمہ کی  
جسٹیت رکھتا ہے اور ہیلی نیکن ( HALIFAX ) کے اس قول کی ایک مثال  
ہے کہ ”بہترین پارٹی قوم کے خلاف ایک سازش کی طہیت رکھتی ہے۔“ کانگریس کو  
اپنا دیہاتی مورچہ دہر دست بنانے کی جو فکر ہوئی وہ اس وجہ سے کہ ان کے  
ذہنوں پر تیسرے قری کا ہوا سوار تھا اور جو کچھ مال انہیں ملتا تھا تیسرے فرق  
ہی سے مل سکتا تھا۔ اسی لئے انہوں نے دوسری پارٹی کی رضا جوئی  
کو ضروری نہ سمجھا ان کا ارادہ تھا کہ تیسری پارٹی پر چھا جائیں اور اسی  
نیست سے کانگریس نے مال وصول کرنے کی ٹھان لی۔

DELIVERY OF GOODS یعنی اختیارات حکومت کی وصولی ۱۲۔ مترجم

”اگر برٹ فوہی حکومت یہ جان لے کہ ملک میں کوئی ایک پارٹی اتنی مضبوط ہے جو ان سے مال وصول کر سکتی ہے تو وہ کسی متفقہ سمجھوتے کا مطالبہ نہ کرے گی۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ کانگریس میں آج اتنی طاقت نہیں ہے۔ اس نے اپنی جو کچھ حیثیت آج بنائی ہے وہ مخالفت کے باوجود بنائی ہے۔ اگر وہ کمزور نہ پڑ جائے اور صبر سے کام لے تو اتنی طاقت پیدا کر سکتی ہے کہ مال وصول کر سکے“

صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کا جو مخالفت قومیت ردیہ رہا اس نے ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ کانگریسی راج ان پر ظلم و ستم توڑ رہا ہے۔ ان کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ مسٹر جناح نے یہ مطالبہ کیا کہ کانگریس کے مظالم کی تحقیقات کے لئے ایک شاہی کمیشن متعین کیا جائے، لیکن حکومت نے اسے منظور نہ کیا، مسلم لیگ کی طرف سے پیر پورہ رپورٹ“ اور شریف رپورٹ“ شائع کی گئیں جن میں ان مظالم کی فہرست دی گئی تھی۔ ہمیں ان رپورٹوں سے بحث نہیں ہے، لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ مسلمانوں میں بے اطمینانی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ ایک قابل غور واقعہ ہے کہ جب کانگریسی وزارتوں نے استعفیے دیئے تو مسٹر جناح کے حکم سے سارے ہندوستان میں قوم نجات“ منایا گیا۔ یہ بات بھی کچھ کم اہم نہیں ہے کہ اقلیتوں والے صوبوں کا خصوصاً یو۔ پی اور بہار کا مسلمان پاکستانی عقیدے کے اظہار میں سب سے زیادہ بلند بانگ ہے، حالانکہ اسے اس سے نقصان ہی پہنچ سکتا ہے، فائدہ نہ ہو گا۔ واقعہ یہ ہے کہ کانگریسی وزارتوں کے قابل شرم دور

سے باؤس ہو کر ہی مسلمان بے تحاشا ہندوستان کی باقتدار ریاستوں میں  
تقسیم کے فارغ کی طرف دوڑ پڑے۔

دن، جماعتی حکومت ہندوستان کے لئے غیر موزوں ہے

اصل میں صوبوں میں کانگریسی انتظام حکومت ہی کو دیکھ کر مسلمانوں کے  
دل میں یہ شبہ قائم ہوا کہ اس قسم کی جمہوریت جیسی کہ برطانیہ سے یہاں آئی ہے  
یعنی پارٹی سسٹم، ہندوستان کے لئے موزوں نہیں ہے۔ کچھ ہندوستان ہی  
پر منحصر نہیں ہے، بلکہ یہ بات عام طور پر بھی درست ہے۔

یہ بات ہم سب کو تسلیم کرنی چاہیے کہ پارٹیاں جمہوریت کا ایک  
لازمی ذریعہ ہیں، لیکن ہو سکتا ہے کہ ذریعہ ہی مقصد قرار پا جائے  
چنانچہ جب انتخاب کنندگان پارلیمنٹیں اور کامینہ۔ یہ سب کے  
سب مختلف طریقوں سے پارٹیوں کی ضروریات کے تابع اور بچے  
لیرا اثر ہو جاتے ہیں تو یہی ہوتا ہے جس طریقے سے اور جس عمل سے  
گزر کر ذریعہ مقصد بجاتا ہے ویسے ہی طریقوں سے جو ذہنی کل قرار  
دے لیا جاتا ہے اور وہ حیثیت اختیار کر لیتا ہے جسے آج کل "کل"  
یا "کل" کہا جاتا ہے۔

جمہوریت کے بنیادی اصولوں سے جو دراصل اخلاقی بھی ہوتے ہیں کسی کو احتیاط  
ہیں ہو سکتا۔ لیکن ہماری ضرورتوں کے لئے جمہوریت تب ہی موزوں ہو سکتی



حق اگر وہ سوسائٹی جس میں وہ پیدا ہوا ہے جمہوری ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے تو وہ اس کے حق سے اسے محروم نہیں رکھ سکتی، اور نہ اسے دبا سکتی ہے۔

جس طرح نمائندگی کے نظام سے گزر کر کالجوں میں نے ایک پارٹی ٹکی حکومت پر اپنا سارا زور صرف کر دیا، اسی طرح اکثریت کے خوف نے مسلمانوں کو جدا جدا انتخابات کی بجائے ڈوٹوموں کے نظریہ اور پاکستان کی طرف بڑھنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن یہ ایک عجیب و غریب بات ہے کہ جب مسلمان پاکستان مانگتا ہے تو وہ گویا خود اپنے واسطے اکثریت کی حکومت طلب کرتا ہے، اور اس سے بھی عجیب تر یہ کہ پاکستان سے گزر کر وہ ہندوؤں کے ساتھ یہ معاہدہ کرنا چاہتا ہے کہ دونوں مل کر انگریزوں پر حملہ کر دیں۔

”آخر ملک یہ مطالبہ کیوں نہ کرے کہ مل جاؤ اور انگریزوں کو نکال باہر کر دو؟ اگر ہم ایک متحدہ ہندوستان کی حیثیت سے طاقت حاصل نہیں کر سکتے تو ہمیں چاہئے کہ غیر متحدہ ہندوستان کی حیثیت سے اسے حاصل کریں۔“

## دھ) تعطل کا سبب بے اعتباری

ہندو مسلم اختلافات کے اس پس منظر میں ہندوستان اور برطانیہ کے مسئلہ پر غور کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ نے بھی ایک قسم کی پریشانی اور خوف

JULIAN HUXLEY ON LIVING IN A REVOLUTION

۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء - ٹائمز آف انڈیا - مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء

پیدا کر دیا ہے۔

سلطنت کے بطن سے ہمیشہ نئی ریاستیں پیدا ہوتی رہی ہیں، لیکن پرانے زمانے میں اکثر اولاد مان کو توجہ کھسوٹ لیتی تھی۔ جدید زمانے میں سلطنت کو سب سے زیادہ فکر اس کی ہے کہ اس طرح کا انتشار اور پراگندگی پیدا نہ ہونے پائے، اور ایسے طریقے ڈھونڈے نکالے جائیں کہ اپنی سیادت بھی قائم رہے اور تغلیب و تہمو، اور نہ اپنا زوال؛ مثلاً ہندوستان کے ساتھ سلطنت برطانیہ کا موجودہ رویہ اسی قسم کا ہے۔

سلطنت کی شیرازہ بندی اسی وقت قائم رہے گی جب کہ وہ اصول جس نے یہ سلطنت جیتی تھی سرگرم کار رہے۔ وہ اصول یہ ہے۔

ہندوستان کو برطانوی سیرت (کیریکٹر) نے جیت لیا۔

ہیگل (HEGEL) کی رائے تھی کہ برطانیہ نے دنیا کو ہند بنا کر اپنے ذمہ لیا ہے، اور اس کا موقع اسے ان روابط سے ملا جو اپنی پھیلتی ہوئی تجارت کے سلسلے میں اس نے قائم کئے اور جاری رکھے۔ ہندوستان میں اسے زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔

ہندوستانی نوجوان چونکہ ہماری ادبیات کے توسط سے ہم سے مانوس تھے، اس لئے انہوں نے ہمیں غیر ملکی سمجھنا چھوڑ دیا۔ وہ اپنے ہمارے بڑے آدمیوں کا ذکر اسی جوش و خروش سے کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے

R. N. MACLVER: THE MODERN STATE

STEPS TOWARDS INDIAN HOME RULE

SIR CHARLES TREVELYAN: POLITICAL TENDENCIES OF

DIFFERENT SYSTEMS OF EDUCATION IN INDIA

ایک مقالہ جو ۱۸۵۴ء میں پارلیمنٹری کمیٹی کے سامنے پیش کیا

ہر سیاسی ربط و ضبط نے برطانوی ہندوستان پیدا کر دیا، تو کچھوں  
 رو باطل سے جدید ہندوستان وجود میں آیا۔ گوکھلے کے پائے کے لیڈر برطانیہ  
 کی تہذیب آفرین صفات پر کامل عقیدہ رکھتے تھے، لیکن ہوا کا رخ بدل گیا۔ لارڈ  
 برکن ہیڈ نے، جنھوں نے اپنے سائن کیشن کا بائیکاٹ ہرجے دیا تھا، ہندوستانی  
 سیاست کاروں کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:-

ہندوستانی سیاست کار زیادہ تر مغربی تعلیم کے اسی مذہب کے  
 سبق یا قریب جس کی طرف سے وہ آج کل اپنی لغت اور بیزاری کا  
 ڈھونگ رچاتے ہیں۔“ لہ

آخر ہوا کا رخ کیوں بدلا؟ کہاں گوکھلے، کہاں گاندھی، اس تبدیلی کی کچھ تو توجیہ  
 ہونی چاہیے +

یہ توجیہ ہمیں ”تعلقات کی تاریخ“ میں ملتی ہے۔ یہ سر اسٹیفورڈ کرپس کے  
 الفاظ ہیں جنھوں نے ان واقعات سے جو انھیں درپیش ہوئے سبق ماصل کیا  
 ہے پچھلے۔ میں برس کی تاریخ نے جو الجھاؤ پیدا کر رہے تھے انھیں دور کرنے کے  
 لئے سر اسٹیفورڈ نے اپنا مسودہ اعلان اس اپیل کے ساتھ پیش کیا تھا۔-

”شاید ابھی کچھ مشکلات درپیش ہوں گی اور وہ اس بے اعتباری  
 کا نتیجہ ہیں جو پچھلے برسوں میں ہمارے درمیان پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن  
 میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ماضی کی طرف سے منہ موڑ  
 لیجئے، میری بلکہ ہماری دوستی اور بھروسے کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں  
 لیجئے، اور ہمیں اجازت دیجئے کہ سر دست آپ کی آزادی اور

حکومت خود اختیاری کے قیام اور تکمیل کی خاطر آپ کے ساتھ مل کر کام کریں۔“

کرپس سے بھی پہلے، پنجستان کچھ عرصے سے اس دوستی پر زور دے رہا تھا۔ گورنر جنرل کو جو دستاویز ہدایات بھیجی گئی اس میں ہندوستان اور سلطنت متحدہ کی شراکت کے نصب العین کو بتا کر بیان کیا گیا تھا۔ لارڈ لون لٹھ گڑے اسی نصب العین سے متاثر ہو کر اپنے مقاصد جنگ کی وضاحت کی تھی (۲۶ اکتوبر ۱۹۳۹ء)۔ ترقی کے مختلف مدارج میں اس شراکت کو نئے سرے سے ڈھاننے اور نظروں کو آنے والے مطمح نظر تک بلند کرنے کی کوششیں برابر جاری رہیں۔ ڈوئیٹی درجہ لیا جانے کے وعدے بار بار دہرائے گئے۔ دسریں جولائی ۱۹۳۹ء کو لارڈ لون نے ان کی ابتداء لارڈ ارون کے وعدے سے ہوئی تھی۔ لارڈ لون لٹھ گڑے کی آگست والی پیش کش بھی اسی اصول پر تھی۔ مسودہ اعلان جس میں جنگی کامیابی کا وعدہ موجود تھا۔ اب تک اس سلسلہ میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وعدہ ابھی تک ساقط نہیں ہوا ہے۔ وہ ساقط نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساقط ہونے یا اس میں کتر پورنت کی جگہ ہرگز نہ دی جائے وعدہ تو زندہ اور قائم ہے۔ لیکن باہمی اعتماد اور ماعت بار میں کافی جان نہیں ہے۔ اور اگر حالیہ تعلقات کی تاریخ کے متعلق ہندوستان کا نقطہ نظر برطانیہ پر بھروسہ کرنے میں مانع ہے، تو اور برطانیہ نجات دہندہ اور مالک سلطنت ہونے کی متضاد روایتی حیثیتوں کی وجہ سے ہندوستان کے دعوے آزادی کی حمایت صرف ادھر سے دل سے کرتا ہے۔ ہندوستان

۱۹۳۹ء کو وزیر اعظم نے یہ اعلان کیا کہ مسودہ اعلان میں جو عام اصول پیش کئے گئے تھے

وہ اپنی وری وسعت اور صداقت کے ساتھ اب بھی تاج برطانیہ اور پارلیمنٹ کی طے شدہ پالیسی کی حیثیت رکھتے ہیں ۱۲

کو جو اندیشہ ہے وہ ہمارے بعد کی چک لٹیکے نامبارک الفاظ میں بیان کیا گیا تھا، اسی طرح سے انگلستان کا اندیشہ ویسے ہی نامبارک الفاظ میں سلطنت کاٹاٹ اٹنا سے ظاہر کیا گیا۔ قومی ریاستوں کی اصلاح کی واحد صورت ایک ایسا بین الاقوامی نظام ہے جس میں کسی قوم کی آزادی سے کوئی دوسری قوم کمزور نہ ہونے پائے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہندوستان کی آزادی سے برطانیہ کو نقصان پہنچے، بلکہ دوسری ڈومینوں کی طرح ہندوستان کی ترقی سے دولت مشترکہ کو فائدہ ہی پہنچنا چاہیے۔ اگر ایک کُل کی آزادی کو اس کے اجتناب ترکیبی کی آزادی سے تقویت نہ پہنچتی تو اٹلانٹک چارٹر نقش بر آب ثابت ہوگا اور چار آزادیوں کا بھی وہی حشر ہوگا جو چودہ نکات کا ہوا۔

## (د) بے اعتباری کا سبب

فرض کہ بے اعتباری کی وجہ سے ہندوستان اور برطانیہ، گفت و شنید ختم ہوگئی۔ لیکن بے اعتباری تو صرف ظلمت ہوتی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ یہ سبب آپ کو زیادہ تر اس کارروائی میں ملے گا جو سرکاری طور پر ہندو مسلم سکے کے بارے میں کی گئی۔ اس مسئلہ کو جس طرح ہاتھ میں لیا گیا اس سے صحیح ہو یا غلط، یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ برطانیہ فرقہ دارانہ مشکلات کو بہانہ بنا کر ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کی ترقی روکنا چاہتی ہے۔ برطانیہ کی طرف سے یہ احتجاج کیا جاتا ہے :-

۱۔ POST-DATE CHEQUE کہیں پیش کش کے متعلق مسٹر گاندھی کا جملہ ۱۲۔ مترجم

مسٹر چمپل کے الفاظ ۱۲ مترجم

مد اگر راستہ میں مشکلات پیش آئیں تو ان کی ذمہ داری ہم پر چاہی نہیں  
 ہوتی۔ یہ مشکلات اس پر صغیر (SUB-CONTINENT) میں  
 طبقوں اور فرقوں کی بے شمار تقسیموں میں مضمر ہیں۔ یہ  
 دوسری طرف سے کانگریسی ہندوستان یہ احتجاج کرتا ہے۔  
 مد برطانوی حکومت اور اتحادی مقصد دونوں کے لیے بھی بہتر ہو گا  
 کہ اقلیتوں کے سوال سے زود تعین دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کی جائے۔  
 اس قسم کا احتجاج مسٹر جنرل نے بھی دوسری رائڈ ٹیبل کانفرنس کے بعد  
 کنگ کالج کے سنٹرل تھیٹر میں مارچ ۱۹۳۲ء میں اپنی تقریر میں کیا تھا۔  
 وہ اور بار بار ہندو مسلم سمجھوتے کے سوال کو اجمال کر صورت حالت کو  
 اور بدتر بنایا جاتا ہے..... میں آپ سے سچے دل سے پوچھتا ہوں کہ کیا  
 ایک ایسے مسئلہ کے متعلق ہم اس وقت تک کسی قسم کا سمجھوتا کر سکتے  
 ہیں جبکہ اسکے پیچھے کوئی سند جو از نہ ہو یا تصفیہ کے بعد اس کی پابندی  
 کرانے کے لیے کوئی وسیلہ موجود نہ ہو..... اور ایک مرتبہ پھر  
 میں برطانوی پارلیمنٹ سے سوال کرتا ہوں کہ جب آپ خود بحری مصلحتوں  
 کے پریشان کن اصول کو حل نہیں کر سکتے تو ہندوستانی فرقہ وارانہ مسئلہ  
 کا ذکر آپ کس منہ سے کرتے ہیں ؟

بجا طور پر ہو یا بے جا، جب تک ملک میں ہندو مسلم مخالفت جاری رہے گی،  
 برطانیہ کے خلاف احساس ضرور موجود رہے گا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ برطانیہ  
 نے فرقہ وارانہ مشکلات حل کرنے میں ہندوستان کی مدد کی ہے وہ ایک اور صراحت  
 ایک ہی ثبوت پیش کر سکتا ہے۔

مہم اس بارے میں اپنی نیک نیتی کا ثبوت دے چکے ہیں۔ ہم نے کمیونل اوارڈ دیکر اس کا ثبوت دے دیا۔ اگر اس وقت ہماری نیت پھوٹ ڈلو اور فتح حاصل کرنے کی ہوتی تو ہم ہندوستانیوں سے کہہ سکتے تھے کہ:-

”جاؤ پہلے اپنی فرقہ وارانہ مشکلات حل کرو جب تک تم انکا تصفیہ نہ کرو

لوگے، کوئی دستوری ترقی نہ ہو سکے گی۔“

خیر جو کچھ ہوا، ہوا۔ لیکن حالیہ گاندھی جناح گفت و شنید کے ٹوٹ جانے کے بعد اب یہ بات صاف ہو گئی ہے کہ جب تک باہر سے مدد نہ ملے اور دوسرے لوگ ہندو مسلم مسئلہ کے حل میں دلچسپی نہ لیں، یہ سوال حل نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ برطانیہ اپنے موجودہ منہی رہنے کے لیے (کاروبار کو زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رکھ سکتا خود اپنے فائدہ کیلئے، ہندوستان کے فائدہ کے لئے اور ہن عالم کے مفاد کی خاطر برطانیہ کو اس کام میں اپنا حصہ لینا چاہیئے، اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ حصہ ایک اور فیاضانہ اور نالائی کے اوارڈ کی شکل میں ہو۔ اگرچہ برطانیہ ہندوستان پر کوئی سمجھوتہ جبراً نہیں ٹھونس سکتا لیکن دیکھو تو کی ضمانت پیدا کر سکتا ہے اور اسے یہ کرنا چاہیئے بلکہ اسے خود ایک سمجھوتہ مرتب کرنے میں پہل کرنی چاہیئے۔ اخباری اطلاع کی بموجب مشر جارج گبس (GEORGE GIBBS) صدر ریڈیو نین کانگریس نے ڈومی نیوز اور ہندوستان کے اخباری نمائندوں کو مخاطب کرتے ہوئے حسب ذیل الفاظ کہے تھے:-

”اگر برطانیہ نے ہندوستانی مسئلہ حل نہیں کیا تو اس کی سلطنت کا شیلزہ بکھر جائے گا برطانیہ کا فرض ہے کہ وہ صحیح حل معلوم کرنے کے بارے میں ہندوستان کی مدد کرے اور یقیناً یہ کہا کہ جب تک

تم میں اتفاق نہ ہو ہم کچھ نہیں کر سکتے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھا ہے۔  
 سروالٹر لےٹن (SIR WALTER LAYTON) نے تو یہاں تک کہہ دیا  
 کہ جنگ ہندوستان میں کوئی سمجھوتہ ہو عالمی نظام قائم کرنے کا کام اگر نامکن  
 نہیں تو بہت زیادہ دشوار ثابت ہو گا۔

بعض حلقے سختی سے اس خیال پر قائم ہیں کہ ہندوستان میں برطانیہ  
 کی طرف سے نیک خیالی اور خیر سگالی کی جو کمی پائی جاتی ہے اس کا ہندوستانیوں  
 کے آپس کی عداوتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل اسی خیال کی وجہ سے  
 یہ دونوں ناسور بہہ رہے ہیں اور وہ ساتھ ساتھ ہی نہیں بہتے بلکہ یہ ایک دوسرے  
 کے اندر بہ رہے ہیں۔ اس صورت حال کی خصوصیت کا تقاضہ ہے کہ ان دونوں  
 مسائل کو حل کرنے کے لئے ان پر عمل چل کر اور سامنے کے رخ سے ہلے کیا جائے۔  
 اگر ہم میں دستور اور رواج کو چھوڑ دینے کی ہمت پیدا ہو جائے تو  
 تو شاید ہم اب بھی ہندوستان میں اندرونی اتفاق و اتحاد اور دولت مشترکہ کے  
 اندر برطانیہ اور ہندوستان کا اتحاد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔  
 ہندوستان کے سوال کو اپنا سوال سمجھنا برطانیہ کے لئے بھی اتنا ہی مفید  
 ہے جتنا کہ ہندوستان کے لئے۔

ہمیں اتفاق اتحاد اور سیاسی اور ذاتی مناقشوں کو بند کر دینے  
 کی طرح تائید کرنا ہے۔ ہم بینلسٹوں (قوم پرستوں) سے کہتے  
 ہیں: "ان چیزوں کو چھوڑ دو اور جنگ کے زمانہ میں آپس میں مل کر  
 مشترکہ خطرے کا مقابلہ کرو۔" ہم ان سے یہ کیسے امید کر سکتے ہیں  
 کہ وہ ہماری اس بات پر لبیک کہیں۔ آگے کا راستہ اتنا آسان

نہیں ہے جتنا کہ انگلستان کا خیال ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہندوستان  
خود اپنے میں وہ اتحاد پیدا کر سکے جو لازمی ہے تو دنیا کی  
کوئی طاقت اسے اس آزادی پانے سے محروم نہیں کر سکتی  
جس کا وہ آرزو مند ہے، اور ہمارا فرض ہے کہ اس کی قوت اور  
اتحاد کی تشکیل میں جو کچھ ہم سے بن پڑے کریں۔ تب ہندوستان دیکھ  
لیگا کہ ہمارے گروہ کے ساتھ منگ رہنے میں خود ہی کا فائدہ ہے۔

لیکن برطانیہ میں جو منگ سیاسیات آج برسہا برسہا آتے رہے وہ اب بھی  
اس معاملہ پر اڑا ہوا ہے کہ ہندو مسلم سوال، ہندوستانی برطانوی سوال سے بالکل  
غفلت ہو اور ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دونوں مسائل جس طرح  
ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا  
ہرگز مفید مطلب نہیں ہو سکتا۔ وہ گروہ جو ان دونوں مسائل کو ایک دوسرے  
سے قطعہ سمجھتا ہے یہ توقع کرتا ہے کہ ہندو مسلمان آپس میں تو غیر متحد اور غیر متفق  
رہیں لیکن برطانیہ کے ساتھ اتفاق و اتحاد رکھیں۔ یہ کرتب اننا ابد الطبعاتی ہے  
کہ ہندوستان باوجود اپنے مشرقی شوق بخرد کے اسے دکھا نہیں سکتا۔  
علم الامراض کے قوانین کی رو سے بھی وہ ناممکن ہے۔ کسی مضمویہ کے اندر اگر کوئی  
زہریلا مرکز پیدا ہو جائے، تو موقع ملنے پر وہ دوزخ سرایت کر جاتا ہے ہیئت  
سیاسیہ کا وہ زہر جو ہندوستانیوں کے آپس کے تعلقات خراب کر رہا ہے  
آسانی سے پھیل جاتا ہے اور ہندوستانی برطانوی تعلقات کی جڑ تک سرایت  
کر جاتا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ آپس کی عداوتوں کی بنا حقیقی ہے یا خیالی، بجا ہے  
یا بجا لیکن اگر وہ موجود ہے اور اپنا کام کر رہی ہے تو اس کی روک تھام ضروری

ہو جاتی ہے۔ اگر نقطہ نظر صحیح ہو گیا تو یہ بنا رہی خود بخود غائب ہو جائے گی۔

## رن بعض دماغی گتھیاں اور ان کا علاج

ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے کسی نہ کسی طرح یہ سمجھا شروع کر دیا کہ جو کچھ طاقت بھی ان کی طرف منتقل ہوگی وہ گویا برطانیہ کی طرف سے ایک طرح کا ہدیہ ہوگا۔ خواہ تیسرا فریق پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو، کے جرم کا مجرم ہو یا نہ ہو، لیکن مرکز نقل اسی کے اندر موجود ہے اور دانستہ یا نادانستہ دونوں فریقوں میں ایک طرح کی رقابت ہو گئی ہے اور وہ تیسرے فریق کی طرف آنکھیں لگاے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی کونسلیم کرے۔ محکوم اقوام میں جو سبب اضافی پیدا ہو جاتی ہے وہ تو خیر ہے ہی، لیکن اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے اور وہ تیسرے فریق کی اس حیثیت میں مضمر ہے کہ بقیہ دو فریقوں پر اقتدار کی ساری ڈوریاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب ابر کی حکومت تھی اور ملک میں اتفاق کا راج تھا تو تیسرے فریق کی یہ دماغی گتھی یا ہوا موجود نہ تھا، حالانکہ ابر کے عہد میں اگر اس قسم کی شورش ہوتی تو اسے ہرگز گوارا نہ کیا جاتا۔

تیسرے فریق کے متعلق اس ذہنی گتھی میں ایک اور گتھی یعنی تاریکی گتھی کی وجہ سے اور زیادہ الجھن پیدا ہو گئی ہے بعض مؤرخین ایک باقاعدہ پریوینڈنٹ کے تحت جب کبھی مسلمانوں کے دور کا ذکر کرتے ہیں تو اسے تاریخ ہند کے ”تاریک دور“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر انگریزی راج کو ہندوؤں میں مقبول بنایا جائے۔ لیکن محض تاریخ کو از سر نو لکھنے سے کام نہ چلے گا۔ یہ احساس پیدا کرنے کے لیے کہ ملک میں اتفاق اور اتحاد موجود

ہے ایک ایسی تنظیم پیدا کرنی ہوگی جو سارے ملک پر حاوی ہو۔ ہر نقطہ نظر سے عوام کے ذہن پر ایک عظیم الشان تبدیلی یعنی اس احساس کا کہ اتحاد کا رفقہ ہو کر رہے گا۔ حرکت آفریں اثر پیدا کرنا ہوگا۔

اس تنظیم کا کام یہ ہوگا کہ وہ لوگوں میں اس بات کا یقین پیدا کرے کہ اب عملی کام ہوگا تاکہ ہر طرف فکر و خیال میں حرکت پیدا ہو جائے اور لوگ عملی تدبیروں پر غور کرے لگیں۔ آج کل ہر طرف ایسا حیران کن اور مبہم گھنٹو جا رہا ہے کہ اصل مطلب کا بھٹکا دشوار ہو رہا ہے۔ ہر گروہ اپنی شکایات کو مختلف الفاظ میں بیان کر رہا ہے، جو اکثر ایک دوسرے سے متضاد ہوتے ہیں معقول اعتراضات کا جواب دینا ہی کافی نہیں ہے۔ غیر معقول اعتراضات کا جواب بھی ضروری ہے اس ننگمان سے بھی فساد پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا بات ہے جس سے لوگوں کا رویہ اس قدر غیر معقول ہو گیا ہے، یہ مشکل حل نہ ہو سکے گی۔

غرضیکہ اصل مسئلہ اب یہ ہے کہ سارے ملک میں رائے عامہ کا جائزہ لیا جائے اور ہندو مسلم سوال کی باضابطہ اور اصولی تحقیق کے لئے مواد فراہم کیا جائے کام یہ ہوگا کہ رائے معلوم کی جائیں، تبادلہ معلومات ہو، تردوات کو واضح کیا جائے، مختلف نقطہ ہائے نظر کو گوشوارہ کی شکل میں مرتب کیا جائے غیر ضروری باتوں کو حذف کر دیا جائے، نزاعی مسائل کو حتی الوسع کم کیا جائے، مطالبات میں معقولیت پیدا کی جائے اور ایسے مشترکہ سمجھوتے کیے جائیں جو قابل عمل بھی ہوں۔ یہ ایک ایسا کام ہے، جس میں علاوہ ان باتوں کے جو اس مقالہ کے آخری باب میں بیان ہوئی ہیں، حکومت کو پہل کرنی چاہیے۔

کوئی شک نہیں کہ ہمارے سامنے جو سوال ہے وہ حد سے زیادہ پیچیدہ ہے

لیکن اس سوال کی طرح طرح کا سوال ہے یہ مسئلہ اصل میں باہمی تعلقات  
 بالفاظ دیگر مجوز نہیں کا مسئلہ ہے۔ صرف سیاسی انجیری سے و ماغی مشینری  
 نہیں چل سکتی، اور یہ کوئی نجب کی بات نہیں ہے۔ یورپ میں اقلیتوں کے گھونٹے  
 کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے، میکائٹی نے اپنا 'بنیادی مفروضہ' ان الفاظ میں  
 بیان کیا ہے۔

''اگر ذہنیت کی اصلاح ہو جائے تو دیکھو گے کی مشینری بہت  
 جلد معلوم کر لی جائے گی۔''

بد قسمتی سے یورپ کی ناکامی سے ہمیں اب تک یہ سبق حاصل نہیں ہوا ہے کہ علاج  
 اس وقت تجویز کیے جاتے ہیں۔ یعنی معاہدے اور نئی صدی مناسب۔ وہ کہتے ہوئے  
 ہم ہمارے پاس کچھ اپنے ویسی علاج بھی موجود ہیں لیکن ہم ان کی ناقدری کرتے  
 ہیں اور انہیں چھوڑ بیٹوں کا علاج کہتے ہیں لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صورتوں  
 اور جھگڑوں کی سوانح اور تعلیم کے اثر سے یہ دونوں فرقے نازک سے نازک حالاً  
 میں ایک دوسرے کے نزدیک اور ملاپ اور محبت کے ساتھ رہ رہے ہیں کہا  
 جاتا ہے کہ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ بے شک بدل گیا ہے، لیکن بنیادی اصول  
 زمانہ کے ساتھ نہیں بدلا کرتے

خواہ ہندو مسلم تعلقات کا سوال ہو، یا ہندوستانی بھارتی تعلقات کا  
 اسکا حل انسانوں کے ذہنوں اور دونوں فرقوں کی رجول میں تلاش کرنا ہوگا۔ کوئی  
 سیاسی فارمولا طلماتی علاج ثابت نہیں ہو سکتا۔ کم از کم ہمارا تجربہ یہ ہے کہ اب تک سیاسی  
 گھونٹوں اور دستوری فارمولوں کے جو فوری علاج تجویز کیے گئے وہ سب کے سب ناکام رہے ہیں  
 یہ عزت کسی شدید کمزوری کی دلیل نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ کیوں کام رہے ہر اسٹینفورڈ

نے اس طویل داستان کو ایک جملہ کے اندر سمو دیا ہے۔  
 ”زمانہ گزشتہ کی بے اعتباریاں اتنی شدید ہیں کہ انہوں نے زمانہ

حال میں بھی سمجھوتا نہیں ہونے دیا۔“

لوگوں کو اس سے پہلے ہی سنجیدہ الفاظ میں متنبہ کیا جا چکا ہے۔ ”ایسی رکاوٹیں  
 بہت کم ہیں جو خیر سگالی اور تعاون سے دور نہ ہو سکیں یہ اس پیغام کے  
 الفاظ ہیں جو ہنزایل بائی نس ڈیوک آف گلاؤسٹر، ملک مغلم کی طرف سے  
 ہندوستان لائے تھے۔ اس پیغام میں آگے چل کر تاکیداً بتایا گیا تھا کہ جملہ  
 متعلقہ اشخاص کے سامنے جو کام ہے وہ یہ ہے کہ بے اعتباری سے پیدا ہونے  
 والی تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے، لیکن شاید اس وجہ سے کہ خیر سگالی  
 کے الفاظ کو عام طور پر محض زور و خصاحت سمجھا جاتا ہے یا پھر شاید اس وجہ  
 سے کہ ارباب نظم و نسق کو بہت زیادہ تخیل سے کام نہ لینا چاہیے، اس  
 نتیجہ کے باوجود، کوئی اہم تبار آفریں مشینری پیدا کر کے کسی قسم کی خیر سگالی  
 کی ہم ضرورت نہیں کی گئی۔ ایسے حالات میں اگر کرپس کی تجاویز، جن کا  
 تصور اس قدر اعلیٰ اور شریفانہ تھا، بے حس کا فون اور ان کا مشن  
 بے زور آنکھوں پر کوئی اثر نہ کر سکا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ یہاں  
 سمجھتا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس کے بغیر امن اور ترقی ناممکن ہے  
 لیکن جب تک پھول (ثقافتی) مفاہمت نہ ہو یہ سمجھوتا نہیں ہو سکتا۔ جب تک  
 دماغی پس منظر دھندلا ہے، سیاسی منزل مقصود کا پُر تو اس پر نہیں  
 پڑ سکتا۔

اگر کسی اعلیٰ درجہ کے فارمولہ سے کام چل سکتا تو میں پھر کہتا ہوں، ہر  
 اسپینور ڈگرپس کے لئے ہونے فارمولے سے بہتر اور کہنی فارمولہ نہیں

ہو سکتا تھا۔ کہ پس مشن کی ناکامی سے یہ چیز واضح ہو جاتی چاہئے تھی، کہ  
 سر درست ملک کی پہلی مزدورت یہ ہے کہ خیر سگالی اور اعتبار کے سرمایہ  
 کو از سر نو فراہم کیا جائے۔ یہ گہنا درست نہیں ہے کہ چونکہ ہندوستانی  
 سیاسی تربیت سے عاری ہیں اس لئے وہ مسودہ اعلان کو نہ سمجھ سکے  
 خود یورپ کا کیا حال ہے، جہاں تو میں ایک فارمولے کے بعد دوسرا فارمولا  
 پیش کرتی ہیں اور ناقصت اندلیٹی سے ایک جنگ کے بعد دوسری  
 جنگ میں الجھ جاتی ہیں۔ دماغی علاج ہی اس وقت ساری دنیا کی اشد  
 مزدورت ہے۔

اگر ہم میں سمجھوتے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو اس (سمجھوتے) کی مناسب  
 دفعات کی ترتیب میں بھی کامیابی ہو سکے گی۔ ہماری اصلی کوشش  
 یہ ہونی چاہئے کہ نفسیاتی مورچے پر ایسی لڑائیاں لڑیں جن میں ہم ایک دوسرے  
 کو جیت لیں۔ اگر یہ ہو جائے۔ یعنی شہرہ مٹ جائے اور اثر قبولیت پیدا  
 ہو جائے۔ تو کوئی فارمولا خواہ وہ کیسا ہی ناقص کیوں نہ ہو فوراً کارآمد  
 بنایا ہو گا۔ اگر یہ نہ ہوا تو چاہئے ہم قیامت تک اتفاق اور اتحاد کی  
 اسکیمیں بناتے رہیں، ہمیں کامیابی نصیب نہ ہوگی۔ اگر سیاسی مضابطوں  
 ہی سے کام چل سکتا تو انگلستان اور آئر لینڈ میں تو سیاسی مضابطوں  
 بانڈوں کی کمی نہ تھی پھر آئرش ان میں یہ الم ناک علیحدگی کیوں ہوئی؟  
 آئر لینڈ کے ساتھ اتحاد کی ناکامی کی بہترین اور مختصر ترین وجہ  
 جو کوئی انگریز پیش کر سکتا ہے یہ ہے کہ افراد کی طرح قوموں کے تعلقات  
 میں بعض غلطیاں ایسی ہو جاتی ہیں جو ناقص بل تلافی ثابت ہونی  
 ہیں۔

مجھے امید ہے، اور میری دعا ہے کہ ہم بھی اس واقعہ سے سبق  
 لیں۔ کاکس ہندوستان اور سلطنت متحدہ کے باہمی تعلقات میں اس  
 قسم کی ناقابل تلافی غلطیاں پیدا ہوں +

# لِوَالِ بَابِ

## ایک متفقہ آئین!

جب تک بنیادی طور سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں سمجھوتہ نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی آئین نہیں بن سکتا۔ اب سمجھوتہ کن اصول پر ہو سکتا ہے۔

دن مسلم لیگ یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کی تقسیم ہو جائے اور اس میں مسلمانوں کی اپنی اس قسم کی ریاستیں ہوں جنہیں حکومت کرنے کے پورے اختیار حاصل ہوں۔ پاکستان کے مطالبہ کا پتھر یہی ہے۔ کانگریس مہا سجاہندستانی عیسائیوں سکھوں۔ آزاد مسلم کانفرنس مسلم مجلس اور بعض دوسری جماعتوں نے ابھی تک پاکستان کے اصول کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اگرچہ حال میں مسٹر گاندھی نے اس سے ملتی جلتی ایک پیشکش مسٹر جناح کو ضرور کی تھی۔ لیکن یہ قابل ذکر ہے کہ ہندستان کے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت پاکستان چاہتی ہے۔

۔ (ب) سر اسٹیفورڈ ڈرپس کے مسودہ قانون کی سفارش یہ تھی کہ دفاق کے اصول پر یونین آف انڈیا ہونی چاہیے۔ عبوری دور کی قومی حکومت کے فوری سوال پر کانگریس نے اس مجوزہ اسکیم کو رد کر دیا۔ اور مسلم لیگ نے اسے اس لئے تسلیم نہیں

کیا کہ اس مجوزہ اسکیم میں پاکستان کی حیثیت زیادہ تر ثانوی اور کم درجہ کی ہے +  
 (ج) کانگریس ہندوستان کے لئے ایک ایسی واحد حکومت یونی ٹری  
 گورنمنٹ چاہتی ہے جس کا آئین ایک نمائندہ اور دستور ساز اسمبلی کا فیصلہ  
 اسمبلی تیار کرے۔ اور اس دستور ساز اسمبلی کی بنیاد تمام بالغوں کے رائے دینے  
 کے حق پر ہو۔ اگرچہ کانگریس نے اپنے تازہ ترین رزولوشن میں صوبوں کو ایسے  
 اختیارات دیئے جانے کے اصول کو تسلیم کر لیا ہے جن کی آئین میں تصریح نہ ہو  
 سوادہ قانون میں جو اصول آئین ساز جماعت کے بنانے کے لئے پیش کیا گیا اس اصول کو  
 بھی اور دستور ساز نمائندہ اسمبلی کی اس تدبیر کو ہی مسلم لیگ تسلیم نہیں کرتی ہے

## پاکستان !

پاکستان پر اعتراض کرنے والے ابھی تک مسلمانوں کے سامنے ایسی کوئی اور  
 مناسب اسکیم پیش نہیں کر سکے جس سے مسلمان مطلق ہو جائیں۔ مسلمانوں کی یہی وہ  
 جماعت ہے جس کو دیکھنا چاہئے جیسا کہ مسٹر گاندھی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ زکوٰۃ انسانوں  
 نے جس چیز کا پتلا ارادہ کر لیا ہو۔ اُس چیز کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ اس وقت ہند کے  
 ساتھ مسلمان ان شرطوں پر سمجھوتہ کرنا چاہتا ہے۔ کہ ہندوستان کے شمال مغرب  
 میں بھی پاکستان ہو۔ اور ہندوستان کے شمال مشرق میں بھی پاکستان ہو۔  
 اور اگر حقیقت میں کوئی عملی سمجھوتہ کی کوشش ہو تو اس میں ان شرطوں کو نظر انداز  
 نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ان شرطوں کے قبول کرنے میں کچھ ایسی دشواریاں ہیں جو  
 حل نہیں ہو سکتی ہیں تو اسی کی بجائے کوئی اور صورت نکالنی اور بتانی ہوگی۔  
 بہت ممکن ہے کہ فرقہ پرستی کے مرض کی تشخیص میں آخری اور خطرناک علامت  
 پاکستان ہو۔ مگر پھر بھی اس مرض کا علاج کرنا ضروری ہے۔ اس پر غور کیجئے بغیر کہ

کس چیز نے مسلمانوں کو اس مطالبے پر مجبور کیا اور اس کی بجائے انہیں کیا دیا جاسکتا ہے؟  
اس پاکستان کے مطالبے کو رد کر دینا ایک لغو فعل ہے +

اگرچہ پاکستان کا وہ تصور کافی روشن اور واضح ہے جس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اپنے سیاسی و معاشی معاملات کے خود بنانے اور سلجھانے کا اختیار ہر قوم کو ہونا چاہیے۔ لیکن جسٹریٹیا فی لٹریٹریٹ سے پاکستان کی حیثیت کافی واضح نہیں ہے۔ جہاں تک اس کام کو عملی طور پر کرنے کا سوال ہے۔ پاکستان کے علاقے کا نقشہ ابھی ٹھیک ٹھیک اور صاف صاف نہیں بن سکا۔ ابھی تک سات علاقوں کا صرف ایک نقشہ تیار ہوا ہے جس میں سرسکندر حیات خاں ایک وفاقی (فیڈرل) طرز حکومت کے تحت نہ صرف برطانوی ہند کے تمام مذہبوں اور فرقوں کے لوگوں کو بلکہ ریاستوں کو بھی شامل کرنا چاہتے تھے۔ اس پلان کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ اور اس پر اتنا غور نہیں کیا گیا جتنا کہ چاہئے تھا اور یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اس تقسیم کے کرنے کی کتنی گہری دُھن ہے۔ مسلمانوں کو یہ احساس ہے کہ جداگانہ انتخاب کی حفاظتی تدبیر بھی نہ چل سکی۔ لیکن ملک کو تقسیم کر کے بھجوتہ کر لینے کا معاملہ بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پاکستان کا نقشہ سامنے موجود نہ ہو۔ پاکستان کے نقشہ پر نظر ڈالے بغیر مندرجہ ذیل سوالات کا آسان حل نہیں مل سکتا۔

(۱) اگر اپنے سیاسی و معاشی معاملات کے خود بنانے اور سلجھانے کا اختیار سبک قوم کے لوگ مانگیں تو ان کی حیثیت کیا ہوگی۔ اگر وہ ہندوستان میں رہنا چاہیں تو انہیں اس ملک کا کون سا علاقہ دیا جائے گا؟

(۲) کیا ہر حالت میں انہلے اور جالندھر کے علاقے پاکستان میں شامل کر لئے جائیں گے؟ اگر ایسا ہوا تو کس اصول کے مطابق ہوگا؟

(۳) کیا امرت سرپاکستان میں شامل ہوگا؟

(۴) شمال مشرقی پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہوگی؟

(۵) کیا ان دو پاکستانی علاقوں کو آپس میں ملانے کے لئے کوئی تنگ اور

طویل قطعہ زمین ہوگا۔ اور اگر ہوگا تو اس قطعہ زمین کے بارے میں کیا تجویز ہے؟

(۶) کیا گلگتہ پاکستان سے باہر ہوگا یا پاکستان کے اندر؟

(۷) اگر شمال مغربی سرحدی صوبے کے مسلمان یہ چاہیں کہ انھیں اپنے سیاسی

و معاشی معاملات کو خود بنانے اور سلجھانے کا اختیار حاصل ہو۔ اور وہ پاکستان

سے باہر رہنے کا فیصلہ کریں۔ تو کیا صورت ہوگی؟

جزا فیائی پہلو سے نظر منگرا ب ایسی اور بھی زیادہ زبردست دشواریوں پر

غور کرنے کی ضرورت ہے جو پاکستان کی اسکیم میں نظر آتی ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ

کیا حقیقت میں ان دکھوں کی دوا یہی ہے جن سے بچھا چھڑانے کی تدبیر کی جا رہی ہے

یا دوسرے الفاظ میں کیا پاکستان کوئی ایسی عملی تدبیر بتاتا ہے جس سے ان صوبوں

میں جہاں ہندوؤں کی بہت بڑی اکثریت ہے مسلمانوں کے ساتھ انصاف کا اور

مناسب سلوک ہونے کا انتظام ہو جائے گا؟ یہ بات پاکستان سے کہاں حاصل

ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کی وجہ سے ان صوبوں کے مسلمان نہ صرف ہمیشہ کے لئے ہندو

اکثریت کی حکومت کے ہاتھ میں پڑ جاتے ہیں۔ بلکہ نئے فائدہ سے بھی محروم ہو جاتے ہیں

جو انھیں فرقہ وارانہ تصفیہ کے لحاظ سے حاصل ہے۔ دراصل اس بات کی ضرورت ہے

ان صوبوں میں مسلمانوں کو سب بخالا جائے تاکہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا گھریسی

دوڑا رتوں کے تحت بد نظمی کا سابق دور بھر نہ ٹوٹ آئے۔ ظاہر صورت میں تو پاکستان

کی اسکیم میں اس محفل کا حل موجود نہیں ہے۔ پاکستان دو مسلم ریاستیں تو قائم

مزدکر دیتا ہے لیکن اس مسئلے کا حل پاکستان میں نظر نہیں آتا اب پاکستان

کے مختلف پہلوؤں کو کسی کچھ تفصیل کے ساتھ جانچئے۔

## خود مختار مسلم ریاستیں

یہ کہا گیا ہے کہ ایسی خود مختار مسلم ریاستوں کے بن جائے جہاں ہندوؤں کی اقلیت ہو خود بخود یہ اثر ہو گا کہ ہندو صوبوں میں یا مجموعی طور پر ہندو ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ بہتر سلوک ہو گا۔ صلحنامہ و رسائی سے پہلے اور اس کے بعد یورپ میں جو اقلیتیں تھیں ان کی تاریخ سے توہیں بات کی تائید نہیں ہوتی ہے۔ کیا اپنے سیاسی و معاشی معاملات کے خود بنائے اور سلجھانے کے اصول پر عمل کر کے ہندوستان کو بلقانی ریاستوں کی طرح تقسیم کر دینے سے بجز نتیجے نکلیں گے؟ تاریخ کے تازہ ترین واقعات کے دیکھنے سے اس سوال کا جواب قطعی طور پر نفی میں ملتا ہے اس کے علاوہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان اور سندھ کی مردم شماری کے نقشوں پر سرسمری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ مجموعی طور پر مسلمانوں کی آبادی صرف باسٹھ فیصدی کے قریب ہے۔ کیا یہ اتنی بڑی اکثریت ہے جس کی بنا پر علیحدگی کا سوال اٹھایا جائے؟ اور جب اقتصادی میدان میں دونوں فرقوں کی اپنی اپنی حیثیتوں پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو بظاہر یہ اکثریت بھی بیکار نظر آتی ہے۔ اگر اس پاکستانی علاقہ میں سے ضلع انبالہ کو نکال کر کشمیر کو شامل کر لیا جائے تب بھی مسلم اکثریت اڑسٹھ فیصدی سے زیادہ نہ ہوگی۔ شمال مشرقی پاکستان میں بھی چونکہ فیصدی سے زیادہ مسلم اکثریت نہیں معلوم ہوتی۔ ان دونوں پاکستانی علاقوں کے درمیان جدیرہ نمائے ہندوستان مائل ہو گا جو شمال میں سات سو میل تک چوڑا ہے۔

یہاں اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ جو مسلمان باقی ماندہ ہندوستان میں رہنا

ہیں۔ وہ اپنا وطن چھوڑ کر پاکستان میں آجائیں گے۔ یہ تجویز اتنی عجیب و غریب اور  
 نرالی ہے کہ کسی مفیدگی سے اس پر غور کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور اس پر رائے زنی  
 کیے بغیر اسے منظور کر دینا چاہیے۔ چنانچہ خود مسٹر جناح نے اسے مسترد کر دیا ہے۔  
 بعض وقت اس کی تائید میں یہ مثال پیش کی جاتی ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد  
 ترکی اور یونان کی آبادیوں میں آپس میں تبادلہ ہوا تھا۔ لیکن اس وقت اس کو  
 بھلا دیا جاتا ہے کہ یہ معاملہ ان یونانیوں کا تھا جو جا کر اناطولیہ میں آباد ہو گئے  
 تھے اور ان ترکوں کا معاملہ تھا جو جا کر یونان میں آباد ہو گئے تھے۔ اور ہندو اور  
 مسلمان صدیوں سے ہندوستان میں رہتے چلے آئے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی  
 یاد رکھنا چاہیے کہ اس تبادلے میں تقریباً دس لاکھ یونانی اور تقریباً پانچ لاکھ ترک  
 ایک جگہ سے سکونت چھوڑ کر دوسری جگہ آباد ہوئے تھے۔ اور یونانیوں کو ان  
 لوگوں کے آباد کرنے میں جو دوبارہ ان کے وطن واپس آئے تھے۔ تقریباً ایک کروڑ  
 پونڈ خرچ کرنے پڑے تھے۔ ہندوستان میں تقریباً تین کروڑ مسلمانوں کے ایک  
 جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ آباد ہونے کا سوال ہے۔ اور وہ یہ زبردست کام ہے  
 جسے کسی انسانی وسیلہ سے پورا نہیں کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان کی حمایت کرنے والے یرغمال یعنی ضمانت کے طور پر آدمی کو اپنے  
 قبضہ میں رکھنے کے اصول پر اس لگائے ہوئے ہیں۔ اور یہ اصول یہاں کام  
 نہیں دے گا۔ اور اگر ایسا ہوا تو سیاست کی بنیاد تہذیب و شایستگی نہیں  
 بلکہ وحشت و بربریت ہو جائے گی۔

## پاکستان کی اقتصادیات

بہت ممکن ہے کہ جلد وہ زمانہ آجائے جب دنیا کی تجارت میں ہندوستان

اس وجہ سے نہایت ہی اہم ملک بن جائے کہ یہاں سے کوئلہ، پٹرولیم، کچا لوہا، کچا منگنیز، مختلف قسم کے جواہرات، کچا کروم، باکسائٹ، نمک، میگنٹائٹ، ابرق، جیسم، مونا زائٹ اور پتھوں میں استعمال ہونے والے دوسرے سخت مادے ملتے ہیں۔

آج کل کی دنیا میں صنعتی استعداد اور قوت کی بنیاد تین چیزوں یعنی کوئلے، لوہے اور تیل کی موجودگی پر ہے۔ ان میں سے کوئلہ اور لوہا دو ایسے عنصر ہیں جو مودہ فولادی زمانہ میں ملک کو صنعتی بنانے کے لیے دراصل ضروری ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تیل کی بھی بڑی قدر و قیمت ہے۔ لیکن تیل ان دونوں کی نسبت بہت کم ضروری ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیسا جرمنی میں ہوا ہے، کوئلہ کو پینے والے ایندھن کی شکل میں تبدیل کر جائے۔ لیکن کوئلہ کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا۔ مجموعی مقدار کی قیمت اور تقسیم دونوں پہلوؤں سے ہندوستان میں صنعتی لحاظ سے نہایت اہم اور کانوں سے نکلنے والی چیز کوئلہ ہی ہے اور بہترین قسم کا کوئلہ اور بہت ہی زیادہ مقدار میں یعنی ۸۸ فی صدی سے بھی زیادہ بنگال، بہار اور آسٹریلیا کے صوبوں میں ملتا ہے۔ اس قسم کے کوئلہ کی سب سے بڑی بڑی کانیں جو بحر طوح کے کاموں میں اور عام طور سے استعمال ہو سکے اور خاص طور پر پکھانا پکانے کے کام میں لایا جاسکے اور ریل اور سمندر کے راستوں سے لاکر دوسری جگہ پہنچایا جاسکے، بہار اور آسٹریلیا اور ای سلسلہ میں شمال مشرقی بنگال میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئلہ کے دوسرے علاقے سنٹرل انڈیا، چیدرا بآباد اور مدراس میں جو سب پاکستان سے باہر ہیں۔ پنجاب، بلوچستان اور آسام میں کوئلہ بہت کم ہے۔ لوہا، کچا منگنیز، کچا کروم، سونا، باکسائٹ، تانے کا میگنٹائٹ اور ابرق جن علاقوں میں نکلتے ہیں وہ سب پاکستان کی حدود کے باہر ہیں۔ پاکستان کی حدود میں جو کچھ ملی سکتا ہے وہ پیٹروولیم ہے جو ڈگبوی، بدہ پور، گھوڑہ و حویلا اور چھبہ کے علاقوں سے نکلتا ہے۔ یہ مقامات آسام اور شمال مغربی پنجاب میں واقع ہیں۔

## ہندوستان کے ابن معدنی خزانوں کا مختصر جائزہ لیجئے تو

یہ بات ظاہر ہے کہ یہ خزانے ہندوستان کے اسی علاقوں میں جو ہندووں یا مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے ہیں اس طرح بٹھے ہوئے ہیں کہ اگر ہندوستان کو آبادی کے لحاظ سے عقائد کی بنا پر تقسیم کیا جائے تو ہندو آبادی کے حصے کا ملک اور مسلمان آبادی کے حصے کا ملک نمایاں طور پر مفلس ہوگا۔ ایک بند تجارت کے نظام میں بنگال کی پاکستانی ریاست صنعتی اعتبار سے مرودہ ہو جائے گی۔ آسام کی مسلمان ریاست کی اقتصادی حالت بھی چلتی نہ ہوگی۔ اس وجہ سے کوئی نمایاں معدنی دولت سوائے اس کے نہیں ہے کہ یہاں سے پیٹرولیم اور تھور اہٹ کر دم نکلتا ہے خواہ ہندوستان کو تقسیم کیا جائے یا نہ تقسیم کیا جائے۔ پنجاب اور مغرب کی طرف کی مسلم ریاستوں کی اقتصادیات میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ اسی حالت میں رہیں گے جو اس وقت ان کی حالت ہے یعنی دیہاتی اور زرعی زندگی ہوئی اور اقتصادی اعتبار سے ہندوستان کے باہر رہوں گے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو حالات آج کل پیش ہیں ان میں سندھ اور شمال مغربی سرحدی صوبے کو مرکزی حکومت کی طرف سے امداد مل رہی ہے اور بلوچستان کی تو تمام ذمہ داری ہی مرکزی حکومت پر ہے۔ ابھی تک کوئی ایسی حکمت نہیں بتائی گئی جس سے ان انتظامی علاقوں اور پنجاب کی اقتصادی حالت نہ صرف اتنی سدھر جائے کہ مرکزی حکومت کی مدد کی ضرورت نہ رہے بلکہ وہ زبردست مصارف بھی پورے ہو سکیں جن کی ایک آزاد خود مختار حکومت کو اپنی حفاظت اور دوسرے لوازمات کے پورے پورے انتظام کے لئے ضرورت ہوتی ہو اگر اپنے سیاسی و معاشی معاملات کو خود بنانے اور سنبھالنے کے اصول کو ایک منطقی دلیل کی صورت میں پیش کر کے انہلے اور جانڈھر کے علاقوں کو پاکستان کی حدود سے نکال لیا جا تو صورت حالات اور بھی زیادہ نازک ہو جائے گی۔ دلیل کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان

۱۵۔ ہندوستان کی معدنی دولت اور اس ملک کا سیاسی مستقبل "مہض چارلس ایچ بیہرے۔"

INDIA'S MINERAL WEALTH AND POLITICAL FUTURE  
CHARLES M. BEHRE

”اپنی اقتصادی حالت کو خود ہی بنجال لے گا“ لیکن اگر یہ دو صنعتیں پاکستان سے باہر نکال دیئے گئے تو کوئی اقتصادی حالت ہی نہ رہے گی جسے بنھالا جاسکے۔ کرس اور گودہ تو غیر ذوق کو بچا بیٹنگا اور ملتانوں کے حصہ میں گھلیاں اور راول پنڈی، ملتان اور بلوچستان کے ریتلے میدان رہ جائیں گے۔ اس کے علاوہ میرے قصور میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ کوئی سکھ اس بات پر راضی ہو جائے گا کہ افسر پاکستان کی حدود میں رہے۔ اس کے بعد لاہور کہاں ہوگا؟

پاکستان میں یا ہندوستان میں؟

شمال مشرقی پاکستان کی مالی حالت کو سرسری بھجھا سے جانچا جائے تو اس سے بھی زیادہ یا کوس کن تصویر نظر آئے گی۔ یہاں بھی برودان کے ضلع میں اور چوہیس پرگوں میں ہندو اکثریت ہے اور اگر ان دونوں علاقوں کو پاکستان میں سے الگ کر دیا جائے تو پاکستان میں آبادی کا تناسب تو ضرور بڑھ جائے گا۔ لیکن اقتصاد حیثیت بہت زیادہ اتر ہو جائے گی۔ اگر یہاں بھی اپنے سیاسی و معاشی حالات کو خود سدھارنے اور سلجھانے کے اصول کو ایک منطقی دلیل کی صورت میں دیکھا جائے تو آسام کو جس کی دو تہائی آبادی ہندو ہے پاکستان سے الگ کرنا ہوگا اور مسلمانوں کو شہر کلکتہ اور اس کی بندرگاہ کی سہولتوں اور اس کی تجارت اور اس کے کاروبار سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

یہ اندیشہ درست ہے کہ ممکن ہے کہ ایک متحدہ راکھنڈم ہندوستان میں ہندو صنعت کاری کا غلبہ ہو لیکن جس کو یہ اندیشہ ہے وہ یہ بھی فرض کر لیتا ہے کہ موجودہ اقتصادی نظام اسی طرح رہے گا۔ اگر آئندہ زمانے میں ہندوستان میں قومی حکومت ہوئی اور ایک جماعت کی حکومت نہ ہوئی تو یہ بات لازم ہے کہ حکومت کا ہاتھ کسی نہ کسی حوصل میں بے روک ٹوک سرمایہ داری کو کھیل دے گا۔ اور اس صورت میں مسلمانوں کو دوسری اقلیتوں کو ہندو اکثریت کے اقتصادی غلبہ کا ڈر نہ رہے گا۔

اس اصول میں کہ ہر قوم کو اپنے سیاسی و معاشی معاملات کو سدھارنے اور سلجھانے کا حق ہونا چاہیے۔ کسی استعمار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن جب اس اصول کی بنیاد خراب سیاسیات اور اس سے بھی بدتر اقتصادیات پر ہو تو اس اصول کی یہ حیثیت نہیں رہتی ہے۔ یہ اصول صرف یہ کہہ دینے سے قابل تسلیم نہیں ہو جاتا کہ ایسے علاقے مسلمانوں کے وطن ہیں۔ جہاں مسلم اکثریت چون یا باسٹھ فیصدی سے زیادہ نہیں ہے۔ اپنے آپ کو ایک حد تک دھوکا دینے میں لطف حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو دھوکا دینے کے فعل کو اگر وقت پر روک نہ دیا جائے تو یہ فعل تباہ کن اور المناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا کہ بہار کے مسلمان کا وطن بنگال ہے۔ اور تہذیب و تمدن اور نسل کے لحاظ سے اس کی قومیت وہی ہے جو چنگاڑوں کے مسلمان کی قومیت ہے اور اس کی وہ قومیت نہیں ہے۔ جو بہار کے ہندو کی قومیت ہے اور یہ کہنا کہ لکھنؤ کے مسلمان کا وطن سندھ بلوچستان شمال مغربی سرحدی صوبہ یا مغربی پنجاب ہے۔ اور یہ کہنا کہ تہذیب و تمدن اور نسل کے اعتبار سے اس کی وہی قومیت ہے جو ایک بلوچ یا سرحدی پٹھان کی قومیت ہے۔ اور اس کی وہ قومیت نہیں ہے جو صوبہ جات متحدہ کے ایک ہندو کی قومیت ہے۔ سب ایک ایسا دعویٰ ہے جو بہت لوگوں کی نظر میں ٹھیک نہیں ہوگا۔ بلکہ مضحکہ خیز ہوگا۔

اس اصول کو تسلیم کرنے کی کوشش میں کہ اپنے سیاسی و معاشی معاملات کو خود سدھارنے اور سلجھانے کا حق ہر قوم کو ہونا چاہئے ایک اور دلیل پیش کی جاتی ہے جس کی بنیاد سوڈین یونین کی ایک تازہ ترین مثال پر رکھی جاتی ہے۔ لیکن جس اصول کو روس نے پیش کیا ہے وہ ہندوستان پر صحیح نہیں اترتا۔ روس میں مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو ایسی رعایتیں دی گئی ہیں جس سے سوڈین یونین کے بحیثیت مجموعی اختیار پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

جمہوری حیثیت سے اس حکومت کی منحہ اور واحد حیثیت بدستور قائم ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ دوسری وفاقی دفیڈرل حکومتوں کی طرح مرکز کو زیادہ اختیار مل گئے، ہندوستان میں کوئی انتظامی حلقہ ایسا نہیں ہے جس کی آبادی یکساں ہو اور اس میں مختلف عناصر موجود نہوں اور جسے اس خودارادیت کے اصول کے مطابق اپنے سیاسی و معاشی معاملات کو خود سدھارنے اور سنبھالنے کا اختیار دیا جاسکے۔ اس کے علاوہ سوویٹ یونین کی جمہوریتوں کا جانتک تعلق ہے انھیں اس قسم کے "خود ارادیت" کے اصول کے مطابق اپنے معاملات کو خود سنبھالنے کا حق دینا اس لیے قطعی طور پر غیر ضروری تھا کہ (۱) ان میں سے ہر ایک جمہوریت اشتراکی اقتصادی نظام رکھتی ہے اور جینٹک اس جمہوریت کے اقتصادی نظام کی بالکل کاپی مل نہ ہو جائے اس وقت تک وہ جمہوریت سوویٹ یونین سے باہر ہر کمر سرمایہ داروں کے ملکوں میں زین نہیں رہ سکتی ہے نیز وہ سوویٹ یونین کی اہم ترین جماعت یعنی کمیونسٹ پارٹی ان جمہوریتوں کی سیاسی زندگی کے ہر پہلو پر نظر اور نگرانی رکھتی ہے اور کمیونسٹ پارٹی موجودہ سوویٹ یونین کے کسی حصہ کو اس سے ٹوٹ کر الگ نہیں ہونے دیگی۔ اس لیے ہر اس صورت کے اور اس وقت تک جب تک کہ ہندوستان ایسے ہی ایک اقتصادی نظام کو قبول نہ کر لے اور اس ملک کی سیاسی زندگی ایک اچھی طرح سے منظم کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھوں میں نہ ہو جس میں زیادہ تر ثقافت اور تہذیب و تمدن کے ڈھانے میں خود مختار ری کچھل (انٹومی) کی طرف زور کرنا چاہیے بہ نسبت اس کے کہ "خود ارادیت" یعنی اپنے سیاسی و معاشی معاملات کو خود سدھارنے اور سنبھالنے کے حق کی طرف توجہ کریں۔

پاکستان کے معاملہ میں ایک اور دشواری دفاع کا مسئلہ اور سفارتی تعلقات کی تکنیک ہے۔ اگر پاکستانی ریاستوں کو حکمرانی کے پورے اختیارات حاصل ہوں

تو پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جو معاہدہ ہو گا وہ اس قسم کا ہو گا جیسا کہ دو آنا د  
 و خرد خمار حکومتوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ یہ معاہدہ اس قسم کے اقلیتی معاہدہ سے گل  
 ہی مختلف ہو گا جیسا کہ ایک سلطنت اور اس کی اقلیتوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ اس قسم  
 کے معاہدہ اس وقت تک تیار نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس قسم کے معاہدہ کے تیار کرنے  
 کے لیے ذہن اس وقت تک آمادہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ مسلم لیگ صاف صاف الفاظ میں  
 ہندوستان کی تقسیم کی تجویز کو اور اس تجویز کے سیاسی خوبی اور اقتصاد ہی پہلوؤں کو پیش  
 نہ کر دے کیونکہ پوری طرح الگ ہو جانے کی صورت میں این پہلوؤں کی وجہ سے ایک  
 خاص قسم کی دشواریاں پیدا ہوں گی جو اس صورت میں پیدا نہیں ہونگی جبکہ پاکستان  
 رائیون فیڈریشن اور افاق ہند کا ایک حصہ ہو۔ یہ تمام ہندوستانوں کی زندگی اور صورت  
 کا سوال ہے کہ ان کے ملکی دفاع کے انتظامات جدا جدا اور بہت سے لوگوں کے ہاتھ میں  
 بٹے ہوئے ہوں اور اتنے پیچیدہ اور الجھے ہوئے نہ بن جائیں کہ وہ کارگر ثابت ہوں  
 نیز ہندوستانوں کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ اتنا زیادہ روپیہ انتظامات پر صرف نہ ہو کہ انتظامات  
 جاری نہ رہ سکیں۔ یہ ضروری ہے کہ بین الاقوامی دنیا کی نظروں میں ہندوستان کی حیثیت  
 پوری طرح سے پکی اور استوار ہو۔ اس مقالے کے ابتدائی حصوں میں یہ بتا دیا گیا ہے  
 کہ یہ مسائل بہت اہم اور نازک ہیں۔

پاکستان کے خلاف جو کچھ عرض کرنا تھا وہ ختم ہوا اب اس بحث کو ابراہام لنکن کے  
 ان نصیحت آمیز الفاظ پر ختم کر دینا چاہیے جنہیں اکثر دہرایا جاتا ہے اور جو ابراہام لنکن نے  
 اپنے ہم وطنوں سے اس وقت کہے تھے جبکہ امریکہ کی شمالی اور جنوبی ریاستوں  
 میں جنگ ہو رہی تھی۔ ابراہام لنکن نے کہا تھا کہ

مادی اور جسمانی طور پر ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے ہم  
 اپنے ملک کے حصوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں لجا سکتے اور

نہ ان دو حصوں کے درمیان ایسی دیوار کھڑی کی جاسکتی ہے جسے عبور کرنا ممکن نہ ہو۔ یہ تو ممکن ہے کہ میاں جوہی میں آپس میں طلاق ہو جائے اور دونوں ایسے اجمل ہو جائیں کہ ایک دوسرے تک نہ پہنچ سکیں لیکن ہمارے ملک کے مختلف حصوں کے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا ہمارے ملک کے دونوں حصے اس بات پر مجبور ہیں کہ ایک دوسرے کے سامنے ہیں اور کسی نہ کسی طرح کا آپس کا تعلق قائم رہے خواہ وہ ذمہ کا تعلق ہو یا دوستی تو کیا اس تعلق کو الگ ہونے کے بعد پھل کی نسبت زیادہ مفید یا تسلی بخش بنایا جاسکتا ہے؟ کیا غیروں میں معاہدے ہونا اس سے زیادہ آسان ہے کہ دوست مل کر قوانین بنائیں؟ کیا غیروں کے درمیان جو معاہدے ہوتے ہیں ان پر اس سے زیادہ اچھی طرح عمل ہوتا ہے جتنا کہ ان قوانین چھوٹے دوست مل کر بناتے ہیں؟ فرض کرو تم میں جنگ چھڑ جائے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ تم ہمیشہ ہی لڑتے رہو اور جب دونوں فریق خوب نقصان اٹھالیں اور دونوں میں سے کسی کو بھی فائدہ نہ پہنچے اس وقت جنگ ختم ہو جائے تو وہی پرانے سوالات پھر تمہارے سامنے آجائیں گے کہ وہ کیا شرائط ہیں جن پر ایک دوسرے سے تعلقات قائم ہوں؟ یہ دعوے تو نہیں ہے کہ ایک اور مندرجہ ذیل اسکیم جو پیش کی جا رہی ہے بے عیب ہے یا مکمل ہے۔ لیکن اس میں میرے خیال میں یہ خوبی ضرور ہے کہ اس پر آسانی سے عمل درآمد ہو سکتا ہے اور آج کل ہندوستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے غیر معقول بھی نہیں ہے اب ہم اپنی اس اسکیم کو سرکاری سودہ قانون کو بنیاد قرار دیکر پیش کرتے ہیں۔

## (ب) یونین آف انڈیا

۱- یہ یونین دفاعی (فیڈرل) اصول پر قائم ہوگی۔

۲- یہ یونین دفاعی (فیڈریشن) میں شامل ہونے والی بہت سی چھوٹی خود مختار حکومتوں سے بنے گی۔ اور اس یونین کا ایک مرکزی مقام بھی ہوگا۔

۳- جہاں کہیں ضرورت پڑے وہاں ان حکومتوں کی سرحدوں کو دوبارہ معین کیا جاسکتا ہے۔ یعنی موجودہ برطانوی ہندکسروں کی سرحدیں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

۴- شمال مغرب اور شمال مشرق کے دوسروں کو خاص طور پر اس لئے سرحدیں تبدیل کر کے نئی شکل دی جائے گی کہ ان صوبوں میں مسلمانوں کی کافی زیادہ اکثریت ہو جائے۔

۵- یہ حکومتیں خود مختار ہوں گی اور اندرونی معاملات میں ان کو مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

۶- بیرونی معاملات میں ان حکومتوں پر پابندی صرف اپنی اختیارات کی وجہ سے عاید ہوگی جو مختلف حکومتوں نے آپس میں طے کر کے یونین کو منتقل کر دیے ہیں۔

(۱) اختیارات مرکزی حکومت کی بحران اور اسکے اختیار میں مندرجہ ذیل امور ہونے۔

دفاع۔ ممالک خارجہ سے تعلقات۔ کرنسی۔ بندرگاہی محصول۔ نشر و اشاعت۔ ہوائی سروس۔ ریلوے۔ جہازی آمد و رفت اور جہازوں کا انتظام۔ تار اور ٹوٹاک کا جھکڑ۔

ایسے اختیارات بھی ضرور کو حاصل ہوں گے جن کے متعلق تصریح نہ کی گئی

۲۰

(۲) فیڈرل اسمبلی کی ترکیب۔ وفاقی حکومت کے ایوان (فیڈرل اسمبلی) کی ترکیب میں مختلف عناصر کا تناسب حسب ذیل ہوگا۔

مسلم \_\_\_\_\_ ۲۰ فیصدی

ہندو \_\_\_\_\_ ۲۰ فیصدی

اچھوت \_\_\_\_\_ ۱۰ فیصدی

باقی ماندہ آبادی جس میں ہندوستانی عیسائی

اینگلو انڈین سکھ۔ پارسی اور قبائل وغیرہ

شامل ہیں \_\_\_\_\_ ۱۰ فیصدی

مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہے کہ اکثریت کی حکومت میں جہاں اکثریت ہمیشہ قائم رہے گی وہاں مسلمان ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کے تابع رہیں گے۔

مختلف عناصر کی نمائندگی کا جو تناسب تجویز کیا گیا ہے اس کی وجہ سے اکثریت کی حیثیت بدلتی رہے گی۔ اور اکثریت اس بات پر مجبور ہوگی کہ دوسری جماعتوں کے ساتھ سرگرمی سے ملکہ کام کرے۔ اس ترکیب کی وجہ سے مسلمان اور ہندو کو برابری کا موقع حاصل ہوگا کہ اپنی اکثریت بنالے۔ کیونکہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اچھوت اور دوسری جماعتیں ہمیشہ ہندوؤں کے ساتھ ہی رہیں گے۔ ۱۹۳۵ء کے قانون پر عمل ہونے کے بعد تجویز سے یہ ثابت ہوگا کہ یہ عناصر بدلتے رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ اس تجویز میں اس بات کا بھی لحاظ ہے کہ جو اکثریت بھی ہوگی اس کا اقلیت سے اتنا کم فرق ہوگا کہ اُسے فریق مخالفت کی بھر دمی اور ان کی اخلاقی تائید کا دست نگر ہونا پڑے گا ہمیشہ قائم رہنے والی اکثریت کا تو سوال ہی اٹھ گیا ہے اور اب یہ امکان بھی نہیں

زباکہ اکثریت آئینہ اقلیت کو کھل دے گی +

اس تجویز سے مسلمانوں کو اچھی طرح مطمئن ہو جانا چاہئے کہ کم از کم اسی وجہ سے کہ اس تجویز کے تحت مسلمانوں اور ہندوؤں کو برابر کی نمائندگی حاصل ہے بشرطِ خارج کو بھی خاص طور پر مطمئن ہونا چاہیے۔ مشرخیان نے مشرکانہ شی کے اس فقرے کے جواب میں کہ میں مذاق میں رہ نہیں کہہ رہا کہ قائد اعظم خارج میرے بھائی ہیں، مظہر یہ انداز میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ فرقہ اتنا فرق ہو کہ بھائی گاندھی کے قبضہ میں تین دوٹ ہیں اور میرے پاس ایک ہی دوٹ ہے۔ ہمارا یہ تجویز ہندوؤں کو اس لئے پسند ہوتی چاہئے کہ اگرچہ اس میں ہندوؤں سے کسی قسم قربانی کرنے کی توقع کی گئی ہے۔ لیکن ان کے مفاد کو دراصل قربان نہیں کر دیا گیا ہے۔

۱۴) دستور ساز جماعت اس مسئلے میں کہ دستور کون تیار کرے وہی فرقہ وارانہ دشواریاں ہیں جن کا خود دستور کے معاملے میں درپیش ہونا ضروری ہے۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ دستور ساز جماعت میں جو فرقہ وارانہ تناسب ہوگا اسی تناسب پر دستور کی نوعیت کا انحصار ہوگا۔ کانگریس کا پلان یہ تھا کہ دستور تیار کرنے کے معاملے کو ایسی نمائندہ دستور اسمبلی رکاشی ٹیوائنٹ اسمبلی پر چھوڑ دیا جائے جس کی بنیاد تمام بانفوں کے رائے دے سکنے کے حق پر ہو۔ اس نمائندہ دستور ساز اسمبلی کے ترکیب دینے کے معاملے میں کانگریس نے جداگانہ انتخاب کے اصول کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور اس کے علاوہ یہ شرط بھی لگا دی تھی کہ ان معاملات کو جن کا تعلق اقلیت کے حقوق سے ہے اکثریت اور اقلیت کے درمیان سمجھوتے سے طے کیا جائے گا۔ اور اگر سمجھوتہ نہ ہو سکا تو ان معاملات کو ثالث کے ذریعے طے کیا جائے گا۔ مسلم لیگ اس تجویز کے خلاف ہے۔ اور نہ مسلم لیگ ایسی دستور ساز جماعت کے حق میں ہے جسے

صوبائی قانون ساز مجالس کے چھوٹے ایوان منتخب کریں۔ اور جس کا ذکر سرکاری  
مسودہ قانون میں تھا۔ لیکن ہماری رائے میں اس طرز کی دستور ساز جماعت  
کی تجویز کو کچھ ترمیموں کے ساتھ قبول کر لینا چاہیے۔ تاکہ اس طرح اس میں  
ایک کے بعض معقول اور واقعی مطالبات کو شامل کیا جاسکے۔

ان مختلف ریلوں کو جن میں ایک دوسرے سے اتنا اختلاف ہے مندرجہ  
ذیل طریقے سے کسی قدر ایک دوسرے کے مطابق بنایا جاسکتا ہے۔

ہم نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے لئے یہ نشستیں تجویز کی ہیں۔ ان انٹی  
نشستوں کو چالیس دوسرے حلقے ہائے انتخاب سے اس طرح پر کیا جائے کہ  
ہر حلقہ انتخاب سے ایک ہندو اور ایک مسلم ممبر منتخب ہو۔ ان میں سے ہر ایک حلقے  
کو پانچ سو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہر حصہ میں ایسے بالغ ہندوؤں اور  
بالغ مسلمانوں کے الگ الگ رجسٹر تیار کئے جائیں جو خواندہ ہوں یا اپنا گھر رکھتے ہوں  
یا ٹیکس ادا کرتے ہوں۔ ہر ایک حصے میں ہندو آبادی اور مسلمان آبادی ایک ہندو  
اور ایک مسلمان نمائندہ منتخب کرے۔ اس طرح ہر ایک حلقہ انتخاب میں جداگانہ  
طریق انتخاب کے ذریعہ پانچ سو ہندو اور پانچ سو مسلمان منتخب ہوں گے۔ یہ ایک ہزار  
آدمی مخلوط طریق انتخاب کے ذریعہ ایک مسلم اور ایک ہندو ممبر منتخب کریں۔ اچھوت  
طبقاتے اور دوسری جماعتوں کے متعلق بھی ایسا ہی طریق عمل اختیار کیا جاسکتا  
ہے۔ اس طریقے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے نمائندے  
مل کر ہندو اور مسلمان ممبروں کو چیں گے۔ یہ حد بندی اور علیحدگی دور ہو جائے گی۔  
اور آپس کی بدگمانی اور باہمی شبہ کا شائبہ نہ رہے گا۔ اس طرح نیچے  
کے ایسے ایوانوں میں سے جو اس طرح بنے ہوں۔ سنس فیصدی ارکان لے کر  
دستور ساز جماعت بنائی جاسکتی ہے۔

## ۴۴) مجلسِ عالمہ

الف) کامینہ میں بھی نمبروں کی تعداد کا فرقہ دارانہ تناسب وہی ہوگا جو اسمبلی میں ہوگا۔

ب) مجلسِ عالمہ مجلسِ قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہوگی۔

ج) وزیرِ اعظم باری باری ایک دفعہ ہندو اور ایک دفعہ مسلمان ہوگا

د) نائب وزیرِ اعظم اس صورت میں ہندو ہوگا جب وزیرِ اعظم مسلمان ہو

اور جب وزیرِ اعظم ہندو ہو اس وقت نائب وزیرِ اعظم مسلمان ہوگا۔

س) اگر کمانڈر انچیف ایک غیر مسلم ہو تو وزیرِ دفاع مسلمان ہوگا اور اس کے

برعکس اگر وزیرِ دفاع غیر مسلم ہو تو کمانڈر انچیف ایک مسلم ہوگا۔

م) مجموعی ذمہ داری ایک سہی بات ہوگی۔ (اصول سے قطع نظر یہ کسی ایسے

فیصلے کے خلاف ایک محفوظ ہوگا جس سے کسی خاص فرقے یا جماعت پر اثر پڑے۔

اور اس فیصلے کو اس جماعت یا فرقے کی رائے دریافت کے بغیر اختیار کر لیا گیا ہو

کیونکہ اس خاص فرقے کے ذریعوں کے استغناء داخل کر دینے سے کامینہ ٹوٹ

جائے گی،

ش) سول سروس سول سروس میں ترقی کے سلسلے میں جہاں تک ممکن ہوگا۔

اور جہاں تک کام کو اچھی طرح سے انجام دے سکنے کا سوال ہوگا۔ اسی فرقہ دارانہ

تناسب کا خیال رکھا جائے گا۔ ملازمت میں ترقی کا انحصار عام طور پر اچھی کارکردگی

اور مرتبہ اور مدت ملازمت کے تقدم پر ہوگا۔

ص) عوام کے ادارے، لوکل سلف گورنمنٹ کے تمام اداروں میں کارپوریشن

میں میونسپل کمیٹیوں میں اور اسی قسم کے مختلف بورڈوں اور کمیشنوں میں اسی

تناسب کو برقرار رکھا جائے گا۔

(ض) فوجی ملازمتیں۔ ہندوستان کی معرکہ آرا فوجوں میں یہ تناسب ہوگا

مسلمان \_\_\_\_\_ ۵۰ فیصدی

غیر مسلم \_\_\_\_\_ ۵۰ فیصدی

(ط) تحفظات کی دفعات

اس سلسلہ میں کانگریس کے اس اعلان کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے

جو ۱۹۳۳ء میں بنیادی حقوق کے متعلق اُس نے جاری کیا تھا اور پھر ۱۹۳۸ء میں

اقلیتوں کے حقوق کا اعلان کیا۔ ۱۹۲۰ء میں رام گڑھ کے اجلاس میں کانگریس

نے اہم الفاظ میں اس کی توثیق کر دی۔ اس سلسلہ میں کانگریس ہمیشہ دو بنیادی

اصولوں پر قائم رہی ہے۔ اور اس نے ہر قدم ان ہی اصولوں کی روشنی میں

اٹھایا ہے۔ (ذرا دورہ اصول کیا ہیں)

(۱) ہندوستان میں جس قسم کا آئین بھی اختیار کیا جائے اس میں اقلیتوں

کے حقوق اور مفاد کے تحفظ کا پورا پورا انتظام ہونا چاہئے۔

(۲) اقلیتوں کو خود فیصلہ کرنا چاہئے کہ ان کے حقوق اور مفاد کی حفاظت کیلئے

تحفظات کی ضرورت ہوگی۔ اکثریت کو اس بارہ میں اپنا فیصلہ نہیں دینا چاہئے

لہذا اس مسئلہ کا فیصلہ اقلیتوں کی منظوری پر منحصر ہونا چاہئے نہ کہ اکثریت کی

راے پر۔

۱۹۲۸ء میں مسلم لیگ نے اپنے لئے ایک فارمولہ تیار کیا جو دوسرے الفاظ

میں مسٹر جناح کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہے۔ اور ۱۹۳۸ء میں کانگریس

کو اپنے مطالبات کی ایک فہرست پیش کی جو مسٹر جناح کے گیارہ نکات کے

نام سے مشہور ہے۔ ان گیارہ نکات میں واضح کر دیا گیا کہ کون کون سے تحفظات

چاہئیں۔ یہ تحفظات دو بڑی شقوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ (۱) مذہبی،

سماجی اور ثقافتی اور (ج) سیاسی اور انتظامی۔

(د) ان کا تعلق ذیل کے امور سے ہے۔

بندے ماترم کا گیت

گائے کا مسئلہ

اذان

زبان کا مسئلہ

قومی جھنڈا

بندے ماترم کے قومی گیت میں سے قابل اعتراف حصے حذف کئے جا چکے ہیں۔

اقبال کا ترانہ بھی پڑھا جا رہا ہے۔ اس وقت تو دونوں گیتوں کو سرکاری طور پر بچھا کر دینا چاہیے۔ اسی طرح کانگریس کے جھنڈے پر بھی مسلمانوں کے امتیازی

نشان کو جگہ ملنی چاہئے۔ گائے کی قربانی کو برداشت کر لینا چاہئے اور فریقین کے جذبات کے احترام کی خاطر قربانی کی رسم بغیر کسی تامل کے عمل میں آنی

چاہئے۔ اذان کے مسئلہ میں کسی قسم کی دقت نہیں پیش آئی چاہئے۔ جناح کی مہرت

میں مسجد کے سامنے باجہ کا سوال شامل نہیں ہے۔ لیکن پریپورڈ رپورٹ میں اس

شکایت کو نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ تاہم مسجد کے سامنے باجہ بند کر دینے پر ہندووں کے جلوے کو پُرمان طریقہ پُر جائے کی اجازت ہونی چاہئے۔

زبان کا مسئلہ بے شک بہت پیڑھا ہے اور اسی طرح رسم الخط کا بھی۔

لیکن بہتر ہو کہ جگہ کے کوٹھنے کے لئے مرکز میں انگریزی زبان اور رومن رسم الخط

کو اختیار کر لیا جائے۔ صوبوں میں مقامی زبانوں کے استعمال کی اجازت

دی جاسکتی ہے۔

(ب) ان کا تعلق ذیل کے امور سے ہوگا۔

(۱) علاقوں کی از سر نو تقسیم جو کسی صوبہ میں مسلم اکثریت پر اثر انداز ہو رہی

+۶۰

(۲) مسلمانوں کے شرعی قانون اور ان کی ثقافت کا از روئے قانون

تختہ +

(۳) مقامی اداروں اور حکومت کے ماتحت ملازمتوں میں فرسہ دار تناسب کا از روئے قانون تعین، مگر پاکستان کا مطالبہ ترک کر دیا گیا تو پہلا سوال پیدا ہی نہیں ہوگا۔ اور دوسرے کو تسلیم کر لینا چاہیے +

بہت ممکن ہے کہ اس اثناء میں مزید شکایات پیدا ہو چکی ہوں۔ لیگ کو چاہیے کہ ان شکایات کی ایک تازہ ترین فہرست مرتب کر دے۔ اور تنازہ امور کو ایسی باقاعدگی کے ساتھ ترتیب دے کہ ان پر معقول طور پر تبادلہ خیال کیا جاسکے اور ان پر تصفیہ ممکن ہو سکے۔

(۹) تحفظات کے موثر بننے کی ضمانت :- یہ اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ممکن ہے آئین میں جن تحفظات کا ذکر ہے ان کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے اور اس سلسلہ میں جبری تشویش کا اظہار کیا جاتا ہے پوچھا جاتا ہے

کہ اس بات کی ضمانت کہاں ہے اور اس چیز کا کون ضامن ہے کہ ان تحفظات کو پورا کیا جائے گا ؟ یورپ کے معاہدات اقلیت "بین الاقوامی واجبات کی حیثیت رکھتے تھے اور مجلس اقوام

( League of Nations ) انکی ضامن تھی کنفیڈراکی ڈونین میں جو تحفظات فرانسیسی اقلیت کو دیئے گئے

تھے قانون ویسٹ منسٹر نے ان کی ضمانت کی تھی جہاں تک ہمارا تعلق ہے مسودہ قانون قریب ڈیکریٹین سے ظاہر ہے کہ قیادتوں کے تحفظات کی ضمانت بھٹانہ لپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا

ہے۔ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان اور دولت متحدہ (UNITED KINGDOM) کے

درمیان معاہدے میں ملک معظم کی حکومت کے وعدوں کے مطابق نسلی اور مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کی گنجائش رکھی گئی ہے "

مکن ہے ہندوستان اگر وہ یونین آن انڈیا کی خود مختار حیثیت کو عزیز رکھتا ہے اور ایسے مکمل درجہ مستعمرات (DOMINION STATUS) میں یقین رکھتا ہے جو تحفظات کے سلسلہ میں کسی بیرونی طاقت کی خواہ وہ دولت متحدہ ہو یا مجلس اقوام ہو یا کوئی اور طاقت ہو جگہ لے سکے تو وہ اس درجہ کو قبول کرنے سے انکار کر دے گا۔ اگر صورت حالات یہ ہو تو جو ہم ملک کے قانون پر اعتماد رکھیں گے اور اپنی شکایات کو رفع کرنے کے لیے عدالت ارکان اتحادیہ کورٹ آف دی یونٹس یا عدالت عالیہ اتحادیہ اسپریم کورٹ آف دی یونین یا آخر میں بین الاقوامی عدالت میں اپیل کریں گے۔

دراثر تعاقبی تحفظات :- ”گیارہ نکات“ میں جن تعاقبی تحفظات کا ذکر ہے ان سے زیادہ تحفظات کی اس سلسلہ میں ضرورت ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں نسلی اختلافات اتنے زیادہ نہیں ہیں جتنے کہ تعاقبی اختلافات۔ دونوں فرقوں کے نسلی عنصر میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ تعاقبی اختلافات بھی بہت نمایاں نہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ صدیوں تک رہنے کی وجہ سے عام مسلمان کا درخت خیر کے دوسری طرف کے ملکوں سے تعلق ٹوٹ چکا ہے۔ اب ہندوستان ہی اس کی تعاقبی اور معاشرتی دنیا بن کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ اس کی زندگی کے تلنے بانے میں اختلافات اور یکجہانیتوں کے طے جلتے مار پائے جاتے ہیں عملی طور پر مسلمان کو جس چیز کی فکر ہے وہ سیاسی اور انتظامی تحفظات ہیں تعاقبی خود اختیار کی کا کوئی ایسا زور دار مطالبہ سننے میں نہیں آتا جیسا کہ ایٹونیا کے معاہدہ، اقلیت کے ذریعہ یا سویت روس میں پیش کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جو بھی تعاقبی اختلافات پائے جاتے ہیں ان کا تحفظ ضروری ہے۔

ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہوں گے :-

|                         |              |
|-------------------------|--------------|
| ایمان و عقائد کی آزادی۔ | مذہبی ادارے  |
| تعلیمی ادارے            | خیراتی ادارے |

ایسٹونیا کے ثقافتی خود اختیاری کے قانون کی طرز پر ارکان اتحادیہ ہند (یونین آف انڈیا) میں اقلیتوں کے مذہبی- معاشرتی اور تعلیمی حقوق کی نگہداشت اور اداروں کے تحفظ اور نظم و نسق کے لئے ثقافتی کونسلیں قائم کرنا مفید ہوگا۔ (۱۱) سیاسی تحفظات :- اگر کوئی فرقہ کسی مسودہ قانون کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کے حقوق کے لئے نقصان دہ ہے تو اس وقت تک اس پر غور و خوض نہ کیا جائے جب تک اس فرقہ کے ممبران کی تین چوتھائی تعداد اسکے حق میں نہ ہو (مسٹر جناح کے چودہ نکات کا دوسرا نکتہ)

(۱۲) وہ تجاویز جن کا اثر سکھ فرقہ پر ہو۔ ان کی تحریک صرف پنجاب اسمبلی میں کی جائے اور وہ پیرا گراف (۱۱) کے تحفظ کی پابند ہوں۔

(۱۳) جن تجاویز کا اثر پارسی فرقہ پر ہو ان کی تحریک صرف بمبئی اسمبلی میں کی جائے اور وہ پیرا گراف (۱۱) کے تحفظ کی پابند ہوں۔

## ارکان اتحادیہ ہند

جہاں تک وفاقی ریاستوں کی قانون ساز مجلسوں ایگزیکوٹو اور پبلک سرحدوں میں نمائندگی کا تعلق ہے۔ مندرجہ ذیل باتیں قابل توجہ ہیں +

(۱) اقلیتیں جداگانہ انتخابات کو برقرار رکھ سکتی ہیں۔ لیکن مرکز میں وہ مجلس قانون ساز کے تحت جو طریقہ نمائندگی تجویز کیا گیا اس پر عمل کریں۔

(۲) اقلیتیں اپنے نمائندوں کی موجودہ تعداد کو برقرار رکھیں لیکن بجائے میں یورپیوں کی تعداد کو کافی کم کیا جائے۔

(۳) ارکان اتحادیہ کی سرحدوں میں رد و بدل کیا جائے لیکن اس طریقہ پر نہیں کہ اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے۔

(د) جہاں تک ممکن ہو گا کارکردگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے قانون ساز مجلسوں میں جو تناسب ہو گا وہی یونین آف انڈیا کی کابینہ اور پبلک سرورسوں میں برقرار رکھا جائے گا۔

(س) یونین آف انڈیا کے تحت پیرا گراف ۶ و فعات (۳)، (۵)، (۶)، (۷)، (۸)، (۹)

(۱۰)، (۱۱)، اور (۱۲) میں جن امور پر بحث کی گئی ہے ان کا اطلاق یونین آف انڈیا پر موقع اور مناسبت سے ہو گا۔ خاص طور پر اعلیٰ تہوں کے تنقحات کے متعلق۔

## کانگریس کی مجوزہ واحد حکومت ہند

اس سے ناقابل حل مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور اس پر بحث کرنا بیکار ہو گا۔  
 باری باری مطلق اکثریت حاصل کرنے کا ایک اور طریقہ ہے۔ برابر کے حصے سے زیادہ کا نہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس سے زیادہ کسی کو دیا ہی جاسکتا ہے مرکز میں برابر کا تناسب اس طرح برقرار رکھا جائیگا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو باری باری ۵۰ فیصدی کی مطلق اکثریت حاصل ہوگی۔ اس سے فوری فائدہ حاصل ہوں گے۔ پہلا فائدہ تو یہ ہو گا کہ ووٹ حاصل کرنے کی جہیں ختم ہو جائیں گی جس کا نتیجہ ہو گا کہ ہمارے سیاسی ماہروں کی موت اور صلاحیت بجائے ووٹ حاصل کرنے کے مخالفانہ سرگرمیوں میں صرف ہوتے لگے تعمیر کاموں میں صرف ہوگی۔ تعمیر قوم کا جو عظیم الشان کام درپیش ہے اس کے لئے بھی یہ چیز نہایت مفید ثابت ہوگی۔ دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ ہمارے سیاسی دنیا میں انسانوں کے درمیان جو مستقل چقلش پائی جاتی ہے۔ وہ دور ہو جائے گی ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے فضا زیادہ سے زیادہ سازگار ہوتی جائے گی اور مشترکہ فائدہ کے لئے متحدہ کارروائیاں عمل میں آئیں گی۔ تیسرا فائدہ یہ ہو گا کہ یہ عمل ہونے کی وجہ سے کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد دوسری جماعت برسرِ اقتدار آجائے گی۔

اور وہ اپنا بدلہ نکال سکتی ہے۔ کسی بھی پارٹی کو نامناسب تداریر اختیار کر کے کامیاب  
 نزل سکے گا۔ اس سے ایک خرابی سرور ہوگی کہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور گروہوں کی  
 انفرادی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ اس کے برعکس ۴۰، ۴۰ فیصدی کے منصوبے کے  
 تحت ان اقلیتوں کو مختلف جماعتوں کے درمیان قوت کے توازن کو برقرار رکھنے  
 کی قابل رشک اور اہم حیثیت حاصل ہوگی۔ کوئی انسانی منصوبہ مکمل ہونے  
 کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر یہ منصوبہ ڈب ڈب سے فرقوں ہندوؤں اور مسلمانوں  
 میں خیالات کا اتحاد پیدا کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ تو اس منصوبے کے حق  
 میں سب سے بڑی بات یہی ہے۔ اس سے ایک ایسی عظیم تبدیلی واقع ہوگی جو  
 ہماری ہمت کو نئی قوت بخشن کر ہماری ساری سیاسی جدوجہد کو ایک نیا رنگ  
 دے گی۔ اس کامیاب اور خوشگوار فضا میں اور عظیم ذمہ داری کے احساس  
 کے تحت یہ ناممکن ہے کہ چھوٹی اقلیتوں کے ساتھ معمولی سے معمولی بے انصافی  
 کرنے کا کوئی خیال جگہ پاسکے۔ ایک بڑے کارنامہ سے دوسرے عظیم تر کارنامے  
 انجام دینے کے لیے ہمت بڑھتی ہے۔

## ویل پلان

ابھی موجودہ کتاب زیر طبع تھی کہ ہذا کونسلسی وائسرائے اپنے ساتھ واپسی پر ہندوستان میں عبوری دور کے لئے حکومت کی ایک تجویز لے کر پہنچے۔ یہ تجویز ویل پلان کے نام سے مشہور ہے ویل پلان میں گزاردہ اصولوں میں جو سیاسی گتھوں کے سنبھالنے کے لئے ایک عارضی انتظام کی تجویز کے علاوہ یہ بھی درج ہے کہ سیاسی مسئلوں کے حل کرنے کے لئے کیا عملی طریقہ اختیار کیا جائے۔ ملک معظّم کی حکمت کی طرف سے جو قرطاس ابضین شائع ہوا ہے اور ہندوستان کے آئندہ دستور کے متعلق وزیر ہند سٹراٹیری نے جو تقریر کی ہے ان دونوں کا مطالعہ بھی اس پلان کے ساتھ ضروری ہے۔ ہندوستان کے مستقبل کے متعلق قرطاس ابضین کے مضمون کی بورڈ اور العوام میں وزیر ہند کی تقریر کے مطلب کو ہذا کونسلسی وائسرائے نے اپنے ایک تار میں مختصر درج کر دیا ہے جو ۱۶ جون ۱۹۴۵ء کو سٹراٹیری کے نا ا روانہ کیا تھا۔ وہ تار درج ذیل ہے۔

”مارچ ۱۹۴۲ء کی سپیکش اب بھی مکمل شکل میں حاضر ہے۔ یہ پیش کش دو بڑے اصولوں پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ اس مصلحت میں ہندوستان کی آزادی پر کوئی بندش نہیں ہے کہ وہ اپنے مستقبل کو کیا شکل دیتا ہے۔ خواہ وہ دولت مشرق کا کارکن بن کر رہے یا دولت مشرق سے باہر رہے اسے اختیار ہے۔ دوم یہ کہ یہ صورت اس دستور کے ذریعہ ہی پیدا ہو سکتی ہے جس دستور کو تمام ہندوستان نے ملکر نیا یا پودھوں پر آبادی کے بڑے بڑے حصے متفق اور رضامند ہوں۔“

ویل پلان میں جو صورت تجویز کی گئی ہے اس کو مختصر درج ذیل کیا جانا ہے (امرکز میں پوری طرح ہندوستانوں کا عمل و دخل ہوگا۔ یہاں تک

کو معاملات خارجہ کا تعلق ان وزارت بھی ہندوستانی وزیر کے پاس ہوگا اور  
 مرکز میں اونچی ذات کے ہندووں اور مسلمانوں کی برابر تعداد ہوگی اور ایک  
 نشست بیچ ذات کے آدمیوں کے لئے۔ ایک نشست سکھوں کے لئے  
 اور ایک نشست کسی اور اقلیت کے آدمی کے لئے ہوگی +

(۲) صوبائی کابینہ میں ہندو اور مسلمان متحد ہو کر حکومتیں بنائیں گے +

(۳) ایسے دوسرے نکات کا بھی ذکر ہے جن کا ہندوستان کی آئینہ

حیثیت پر اہم اثر پڑتا ہے۔

(الف) ہندوستان میں انگلستان کے ایک ہائی کمشنر کا تقرر۔

(ب) مختلف غیر مالک میں ہندوستان کے متعدد نمایندوں کا تقرر۔

مجھے یہ دیکھ کر خاص طور پر خوشی ہوئی کہ ملی حیثیت سے یہ ساری اسکیمیں

نے اس کتاب کے مختلف حصوں میں اس وقت تجویز کی صورت میں پیش کر دی

تھی جب کہ یہ کتاب گزشتہ دسمبر میں پہلی دفعہ شائع ہوئی تھی اگر عارضی انتظام کی

حیثیت سے یہ اسکیم کامیاب ثابت ہوئی تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس سے ایک

ہنایت مشکل مسئلے کا مستقل حل کیوں نہ ملے گا۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے جزئیات

اور تفصیلات پر غور کرنا ضروری ہوگا۔ لیکن ایک ایسی اگر بھیجیو کونسل جسے اس ملک

کی برٹنی برٹنی سیاسی جماعتوں کی تائید حاصل ہو یقینی طور پر ایک عارضی انتظام

کے اصول پر عمل کر کے ہندوستان کے مستقبل کیلئے ایک اطمینان بخش دستور

بنا سکتی ہے۔ یہی بات کہ ان مختلف جماعتوں کے نمایندے جو ابھی تک ایک دوسرے

کی مخالفت میں ملکر ایک کابینہ کی صورت میں بیٹھیں گے اور کاروبار حکومت کو چلانے

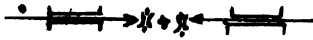
ہنایت درجہ اہم اور اطمینان بخش ہے اور اسکی وجہ سے آپس کی بدگمانیاں رفع ہونگی

اور تقویت اور اتحاد کا احساس پیدا ہو جائیگا جس سے امید ہے کہ ملک اور تمام دنیا کے فائدے

کے لئے ایک متفقہ دستور تیار ہو سکے گا۔

# دسوال باب

## ہندوستانی ریاستیں



ریاستوں کے پریشان کن سوال کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ اگر ہمارا  
 تہذیب فرقہ دارانہ مسئلہ کے حل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے تو ریاستوں کا مسئلہ  
 بھی ہماری دسترس سے باہر نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قانون  
 ۱۹۳۵ء کے وفاق کو ریاستوں نے قریب قریب مسترد کر دیا تھا۔ اب سرکاری  
 مسودہ اعلان میں یونین آف انڈیا راجا وچ ہندوستان کے قیام کے لئے  
 ریاستوں کی شرکت لازمی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اقتدار اعلیٰ کے ساتھ  
 اپنے موجودہ یا کسی قدر تبدیل شدہ رشتہ کو برقرار رکھ کر اپنے قدیم حقوق کو محفوظ  
 رکھنا چاہیں۔ اور بلاشبہ بہت سے حقوق ہیں بھی گراں پایہ۔ لیکن یہ یقینی امر ہے  
 کہ خواہ ریاستیں یونین میں داخل ہونا پسند کریں یا نہ پسند کریں۔ لیکن  
 انکی نئی جمہوریت کی روح ریاستوں میں بھی جلد اور لگاتار سرایت کرتی رہے گی۔ لیکن  
 ہے کہ اسی نقطہ نظر سے وہ یہ پسند کریں کہ یونین سے براہ راست تعلق قائم کیا  
 جائے تاکہ ان کی حیثیت میں کم تغیر واقع ہو اور اس طرح وہ زیادہ آمادگی کے

کے ساتھ نئی روح کو اپنانے کی کوشش کریں۔ اگر وہ شریک ہوں تو انہیں  
(سرمعدوں کے خفیف سے تغیر و تبدل کے ساتھ) آپس میں ملا کر ان کے حسب  
ذیل بڑے بڑے گروہ بنائے جاسکتے ہیں:-

(۱) کشمیر اور پنجاب کی ریاستیں۔

(۲) کاشیہ دار اور راجپوتانہ کی ریاستیں

(۳) وسط ہند کی اور مشرقی ریاستیں

(۴) بیسور۔ ٹرانسجو را اور کچین

۵) حیدرآباد

یہ ماننا پڑے گا کہ اگر ریاستیں وفاق سے علیحدہ رہیں تو ان کے علاوہ

جہاں اہمیت کے پیش نظر ہندوستان کے دفاع کا کوئی سخت صدمہ پہنچے گا۔ اس نہایت اہم  
بات کو ملحوظ رکھ کر ریاستوں کو اس پر آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ وفاق ہند  
میں داخل ہو جائیں۔ ان کی علیحدگی سے دفاعی دیوار میں رخنہ پڑ جائیں گے۔  
وہ ریاستیں جو وفاق ہند میں شامل ہوں یونین کی دوسری دھڑوں

کی طرح خود مختار اور آزاد ہونی چاہئیں۔ لیکن یکسانیت اور مساوات و قار  
کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ ان ریاستوں میں بھی جہاں تک ہو سکے  
وہی ہی نمائندہ حکومتیں ہوں جیسی کہ وفاق کے باقی ارکان میں۔ عام طور  
پر ان ریاستوں کے فرمانرواؤں کے اقتدار پر کسی قسم کا اثر نہ پڑنا چاہئے  
بجز ایسے مسائل جیسے کہ صرف خاص اور ان اختیارات کے جو وفاق کی اسمبلی  
یا یونین حکومت کو منتقل کر دیے جائیں۔ یہ اقتدار علیٰ حالہ قائم رہنا چاہئے۔

# گیارھواں باب

## فوری اعلانات ضروری ہیں

انگلستان اور ہندوستان کے تعلقات کو نئی بنیاد پر قائم کرنے کی غرض سے اگر دستورات کا فوری اعلان کر کے ایک عارضی حکومت قائم کر دی گئی اور مجلس آئین ساز کے لئے ایسے انتخابات کر دیئے گئے کہ وہ سال بھر کے اندر ہی اپنا کام ختم کر لے تو یہ صورت قطعی ناقابل عمل ہوگی سب درست ہندوستان میں کسی ایک جماعت کو بھی اس حد تک عام اعتماد حاصل نہیں ہے کہ وہ ایک عارضی حکومت کے ذرائع سنبھال سکے اور اگر اسکا کوئی امکان ہے بھی تو بہت زیادہ نہیں ہے۔ ککوئی مجلس آئین ساز جو اس طرح بھی اس کی تشکیل عمل میں آئے سال بھر کے اندر کوئی مکمل آئین وضع کر سکے گی۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے نئے آئین کے مرتب کرنے کا کام عارضی حکومت کے قیام سے پہلے ہونا چاہئے۔ کیونکہ کسی اور صورت سے ایسی عارضی حکومت وجود میں آ ہی نہیں سکتی جسے عام اعتماد حاصل ہو سکتا ہے ہی انگلستان اور ہندوستان کے درمیان جد نامہ کا خاکہ بھی اُس وقت تک نہیں بنایا جاسکتا جب تک کہ یہ پتہ نہ چلے کہ کیا

آئین کیا شکل اختیار کر رہا ہے یا یہ کہ سیاسی طاقتیں کیا رویہ اختیار کر رہی ہیں اور سیاسی مرکز کہاں ہوگا۔

ہندوستان کے نئے آئین میں اختیارات جس پیمانہ منتقل ہوں گے اس پیمانہ پر ان کی منتقلی خود آئین سے قطع نظر ایک یا زیادہ ضمنی سمجھوتوں کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی اس کی قریب ترین مثال آئرش فری اسٹیٹ (ایگز مینٹ) ایکٹ ۱۹۲۲ء کے تحت مرتب کئے ہوئے مختلف آرڈیننسز کو نسل "میں ملتی ہے لیکن ان میں جو بحث کی گئی ہے وہ انتظامی بنیادی سے متعلق مسائل سے ہے اصولی مسائل سے نہیں اصولی مسائل سے صرف نئی ہندوستانی حکومت ہی بحث کر سکے گی۔

بہر حال جس پہلو سے بھی دیکھے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان ایک عام اعلان کر دے (وہ پہلے بھی اکثر اعلانات کرتا رہا ہے مگر بظاہر انہیں باوجود نہیں کیا گیا) جو کچھ اس شکل میں ہو۔

"ہم خود ہندوستان کے لئے کوئی نیا آئین وضع کرنا یا کوئی آئین اپنی طرف سے اس پر مسلط کرنا نہیں چاہتے۔ ہندوستان کے نئے آئین کے وضع کرنے کی ذمہ داری اب خود ہندوستانیوں کے سر ہے نہ کہ کسی اور پر۔ ہم ہندوستان میں اپنے خدایات اس نئی حکومت کو جو اس نئے آئین سے وجود میں آئے حسب ذیل شرائط کے ساتھ منتقل کرنے پر تیار ہیں۔

(۱) ہم کو اس بات کا اطمینان ہونا چاہئے کہ وہ آئین قابل عمل ہے یعنی یہ کہ اسے ان لوگوں کی جنہیں اس آئین کے تحت زندگی بسر کرنا ہے عام منظوری حاصل ہے۔

تخت

(۲) ہم کو اس بات کا اطمینان ہونا چاہئے کہ آئین کے تحت اقلیتوں کا معقول طریقہ پر کیا گیا ہے لیکن یہاں بھی اگر آئین ان سب کے لئے جو جنس اقلیتیں بھی شامل ہیں

عام طور پر قابل قبول ہے جنہیں اس کے تحت زندگی بسر کرنا ہے تو یہ سوال پیدا ہی ہوگا بہر صورت ہم یہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اقلیتوں کو اپنا تحفظ خود اس آئین ہی کے تحت تلاش کرنا ہوگا کیونکہ ہم کسی متوازی عہد نامہ کے ذریعہ ان کے لئے اس تحفظ کی ضمانت کرنا نہیں چاہتے۔ ہم اقلیت کی کوئی جامع و مانع تعریف نہیں کرنا چاہتے اس لئے کہ ہندوستان میں یہ اصطلاح خاصی معروض ہے لیکن ہم اسے گوارا نہیں کریں گے کہ ہر جموں الحال گروہ اپنے کو اقلیت بنا کر پیش کرے اور اپنے مفادات کے تحفظ کا حق کر کے دستوری ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے۔

۱۳) ہمیں اس کا اطمینان ہونا چاہیے کہ دستور میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان ضمانتوں میں جو انگریزی حکومت نے ہندوستانی ریاستوں کو دی ہیں کمی ہوتی ہو، نیز یہ کہ جن شرائط پر ہندوستانی ریاستوں کو نئے دستور میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے وہ نصفانہ اور متوازن اور جس کے شائبے سے خالی ہوں۔

۱۴) ہم کو اس بات کا اطمینان ہونا چاہیے کہ تاج کے جو ملازمین ہندوستان میں ہیں اور ان نئے دستوری انتظامات کے تحت خدمات انجام دینے پر رضامند نہ ہوں ان کے حقوق کا کافی حد تک تحفظ کیا جائیگا اور ان کی باضابطہ پیشین اور دوسرے معاوضے میں یقینی طور پر طیں گے ہیں اس بات کا بھی اطمینان ہونا چاہیے کہ جو دوسرے قسم کے حقوق خواہ تاج کی خدمات کے صلہ میں یا کسی اور بنا پر اور افراد کو پہلے حاصل تھے وہ ان میں اب بھی حاصل ہیں گے اور عدالتوں یا دوسرے غیر جانبدار ٹریبونل کے فیصلے کیے ہوئے پورے پورے معاوضے ادا کیے بغیر وہ ان حقوق سے محروم نہ کیے جائیں گے۔

اگر یہ شرطیں پوری ہو جائیں تو نئے دستور کے نفاذ کے بعد ایک معینہ مدت کے اندر ایک تاریخ مقرر کر دی جائے گی کہ اس تاریخ سے ہر قسم کی جملہ ذمہ داریاں نئی حکومت کو منتقل ہو جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے کم اہمیت والے امور ہوں جنہیں کسی نہ کسی قسم کے متوازی چھوٹے کے ذریعہ طے کرنا پڑے جیسا کہ پچھلے فقرہ میں بتایا

چاہئے۔ لہذا اس امکان کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا تاکہ بعد میں بددی کا الزام عائد نہ ہو لیکن ان شرائط کے ساتھ اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ ذمہ داریوں کی منتقلی مکمل اور قطعی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے کہ آئین سے ہندوستان آزاد ہو جائے یا جیسا کہ برطانیہ دولت عامہ کے دوسرے ارکان کا حال ہے۔ تاج کے ساتھ اسکا شہہ اطاعت بدستور قائم رہتا ہے منظمی کا عمل درآئے مختلف ہوگا لیکن یہ سوال بڑی حد تک نظام کار سے متعلق ہے۔

آخر میں جب ان امور کی تکمیل کی تاریخیں مقرر ہو چکیں تو انگلستان ہندوستان سے اسکا اظہار کر سکتا ہے کہ وہ نئی ہندوستانی حکومت سے اگر وہ چاہے ایک تجارتی معاہدہ اور ایک امور دفاع سے متعلق معاہدہ پر تبادلہ خیال کرنا پسند کرے گا یہ سوال کہ اگر نئی ہندوستانی حکومت جواب میں یہ کہے کہ اسے اس طرح کی بات چیت کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے تو اس صورت میں انگلستان کیا کارروائی کرے آئندہ غور کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے

یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے مذکورہ بالا تجاویز میں جس پالیسی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اس کی نوعیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ غیر تعمیری اور بے نتیجہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بظاہر ایسا ہی معلوم ہو لیکن ذرا سے غور و فکر سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا۔ کوئی بھی یہ نہیں خیال کرتا کہ اتنی پشتوں کے تعلق کے بعد انگلستان ایک جنبش قلم سے یا کسی قسم کے اعلان کے ذریعہ اپنے آپ کو ہندوستان کے معاملات پر پوری طرح بے تعلق کر سکتا ہے اور نہ ہی خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے زیادہ صاحب الرائے طبقے اس قدر اچانک اور مکمل طور پر قطع تعلق پسند کر چکے لیکن بظاہر دو باتیں ایسی ہیں جن کا پورا ہونا دوسری تمام باتوں سے زیادہ ضروری ہے، ایک تو یہ کہ ہندوستان کے کسی طبقہ کو اس کا موقع نہ دیا جائے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ

حکومت برطانیہ نیک نیت نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ ہم ہندوستان ہندو کو اس پر مجبور کیا جائے کہ ہم خود ہی اپنے مسائل کا سامنا کریں اور ان کے حل کرنے کی ذمہ داری لیں۔ یہ دونوں باتیں ایک کاٹھ سے ایک ہی مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ کیونکہ اگر ہندوستان کو اس پر مجبور کیا جائے گا کہ اپنے مسائل کے تصفیہ کرنے کی ساری ذمہ داری خود ہی اپنے سرے تو پھر کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے گا کہ انگلستان ہی انہیں ان مسائل کے تصفیہ کرنے سے روکتا ہے ان دو معاہدوں یا سمجھوتوں کی مجوزہ پیش کش کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے یہ کہیں زیادہ اچھا ہے کہ بجائے اسکے کہ انگلستان ایک مرتب شدہ معاہدہ پیش کرے اور ہندوستان کو اس پر دستخط کرنے کی دعوت دے ان معاہدوں کے مطالب کے متعلق تجاویز نئی ہندوستانی حکومت ہی کی طرف سے جب اس کی تشکیل عمل میں آجائے پیش ہوں۔ ملک منظم کی حکومت یا حکومت ہند یہ بھی کر سکتی ہے کہ مثلاً ایک عام اعلان کے ذریعہ اپنی اس خواہش کا اظہار کر دے کہ آئینی تجاویز خیال کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ نیز یہ کہ تجربہ بتاتا ہے کہ یہ کٹھا اچھا ہے کہ ہر صورت ابتدائی منزلوں میں ایک چھوٹی جماعت ہی اس مسئلہ کی چھان بین کرے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ حکومت اس پر تیار ہے کہ وہ ان لوگوں کے لئے ایک جگہ متعین کر دے اور ضروری عملہ اور دوسری سہولتیں مہیا کر دے۔ نیز یہ کہ وہ اس طرح کی مجلس میں حصہ لینے کے لئے خود کسی کو دعوت دینا نہیں چاہتی بلکہ اس کی تجویز ہے کہ ان لوگوں کا انتخاب مراحت کردہ مختلف جماعتیں یا ادارے ایک حد تک تعداد کے اندر کرینگے اور یہ کہ منتخب شدہ اشخاص کے لئے یہ ممکن ہونا چاہئے کہ اگر وہ چاہیں تو مزید اشخاص کی ایک مختصر تعداد کا احاطہ کریں۔ دوسرے نظروں میں یہ زائد اشخاص ایسے ہوں جن کا شخصی

جماعت یا پارٹی سے تعلق نہ ہو بلکہ اس آزاد مسلک کے ہوں جو پارلیمنٹ کی غیر جانبدار نشستوں کی طرف منسوب ہے۔ اس اعلان میں یہ بھی تجویز کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب تبادلہ خیال بھی طور پر ہو اور بالکل رازدارانہ خیال کیا جائے۔ البتہ اگر مناسب خیال کیا جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ کارروائیوں کی عارضی رپورٹیں مل جائیں۔ یہ بھی اپنی جگہ واضح ہو گا کہ سارے کے سارے آئینی مسئلہ پر تبادلہ خیال ہو سکے گا اور اس مجلس کا کوئی فرد محض بحث و مباحثہ میں حصہ لینے ہی سے اپنے کو یا اپنی جماعت کو کسی خاص پالیسی کا پابند نہ کرے گا۔ اس تبادلہ خیال کا مقصد محض چھان بین ہو گا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ تمام مسئلوں میں کس حد تک اتفاق ہے اور یہ بھی (جو کچھ کم اہم نہیں) کہ کہاں راہوں میں اختلاف ہے۔ اگر حکومت برطانیہ کے طور پر مزید مادہ طلب کی گئی تو یقیناً وہ بخوشی دے گی لیکن یہ اچھی طرح واضح ہو گا کہ وہ بغیر طلب کئے کسی قسم کی مدد یا رائے نہ دے گی۔

یہ اسکلن بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ خواہ تبادلہ خیال کی اس نوعیت پر گفتا ہی زور کیوں نہ دیا جائے کہ اس کی فرض محض چھان بین کرنا ہے اور یہ کہ کسی خاص پارٹی یا جماعت کی پالیسی پر اس کا کوئی اثر مطلق نہیں پڑتا پھر بھی زیادہ بڑی پارٹیوں یا جماعتوں میں سے ایک نہ ایک اس تبادلہ خیال میں حصہ لینے پر رضامند نہ ہوگی۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بات یقیناً بڑی افسوسناک ہوگی لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے لوگ اگر اتنا چاہیں تو محض اس وجہ سے شرکت نہ کریں۔ ہو سکتا ہے کہ خود انکار کرنے والی پارٹیاں یا جماعتیں بھی بعد میں شریک ہوئے پر تیار ہو جائیں۔ یہ بھی پیش نظر ہے کہ شاید دو جماعتیں تبادلہ خیال کے لئے جمع ہوں اور ہر ایک اپنی اسکیم کے پیش کرنے میں لگا رہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسری طرف شاید ابتدا ہی میں یہ بات خود حکومت برطانیہ کی

طرح سے مانع کر دی جائے کہ حکومت خود اس بار میں اپنی کوئی دستانہ ظاہر کرنا نہیں چاہتی اور اس کے متعلق یہ سمجھا بھی نہ جائے کہ وہ اس پالیسی یا اس پالیسی کی حامی ہے تاہم اسے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایک جماعت جو آئین سازی پر تبادلہ خیال کر رہی ہے وہ ہندوستان کے تقسیم یا متحد ہونے کے امکان پر کیوں بحث نہیں کر سکتی۔ نیز یہ کہ جب ساری ایکم کا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگ جو اس کے اہل ہیں آئینی مسئلہ کے ہر پہلو پر کر کے اُسے صحیح طور پر سمجھیں تو اس قسم کے تبادلہ خیال کو لازمی طور پر خارج از بحث نہ سمجھنا چاہیے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر آئین بنانے والوں کی یہ مختصر سی جماعت کسی کچھ بیش متغیر نتیجہ پر پہنچی تو اس آئین کے مسودہ کو کسی ایسی زیادہ بڑی جماعت کے سامنے پیش کرنا ہو گا جیسے زیادہ قریبی نمائندگی حاصل ہو اور جو اس کتب کی ابتدائی فصل میں تجویز کی گئی ہے۔ لیکن یہ بہت بعد کی بات ہے اور اس پر یہاں بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

بہر حال یہ ابتدا ہی میں واضح کر دیا جائے کہ اسی قسم کی کوئی چیز پیش نظر ہے۔ نیز یہ کہ جس مختصر جماعت کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ صرف ابتدائی کام ہی کئے ہوگی۔ لیکن اگر وہ جماعت اپنا کام بحسن و خوبی انجام دے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بڑی جماعت کی نظر ثانی محض ضابطہ کی پابندی سے زیادہ کچھ نہ ہو۔

# اعمال نامہ

سرستید رضا علی ایم ایل اے کی خودنوشت سوانح حیات

ہندستان کے ہر ادبی ادارے کے ترجمان نے اس کتاب کو ۱۹۴۴ء کی بہترین تصنیف مانا ہے، اس میں نہ صرف سرستید رضا علی نے اپنے حالات لکھے ہیں بلکہ یہ ہندستان کی سو سالہ تاریخ کہی جاسکتی ہے۔ سیاست، شعور، شاعری، اخلاقیات، تنقید، معلومات، تفریح، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا گیا جس پر سرستید رضا علی نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ زبان و بیان کی مثال موجودہ دور میں ہرگز ہرگز کہیں نہیں مل سکتی یہ صرف سوانح حیات نہیں ہے بلکہ اب سے سو سال کی ہندستانی زندگی کی بے نقاب تصویر ہے۔ جس کے پڑھنے کے بعد کوئی بھی کتاب نظر دل اور دماغ کے لئے نیا پیام نہیں دیتی۔

قیمت مجلد آٹھ روپے

بنگارستان کتبسی اردو بازار دہلی









